رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم



ریاض احمد سعید



انسٹی ٹیوٹ آف سیرت سٹڈیز

پوسٹ بکس 2145

اسلام آباد

(پاکستان)

کتاب ــــــــــ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مصنف ــــــــــ ریاض احمد سعید

صفحات ــــــــــ 240

طبع ــــــــــ اوّل

تعداد ــــــــــ ایک ہزار

پریس ــــــــــ

سال اشاعت ــــــــــ 1985ء

ناشر ــــــــــ انسٹی ٹیوٹ آف سیرت سٹڈیز۔ اسلام آباد

قیمت (لائبریری ایڈیشن) ــــ 75 روپے

" (عام ایڈیشن) ــــ 40 روپے

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

افتتاحیہ

حیاتِ مستعار کے چالیس برس گذار چکا ہوں۔ کوئی پندرہ برس تو خامہ فرسائی کرتے ہوئے بھی بیت گئے۔ بہت لکھا، ہزاروں صفحے سیاہ کئے، لیکن شتر بے مہار رہا۔ کچھ سمجھ نہیں آتا تھا کہ کیوں لکھ رہا ہوں۔ بس ایک عادت سی بن گئی تھی، ایک طرح کا نشہ سا تھا، لکھے بغیر رہا نہیں جاتا تھا۔

زندگی کی گاڑی اسی ڈگر پر رواں دواں تھی کہ کوئی دو سال قبل ایک چھوٹے سے واقعے نے میرے قلم کی جولانیوں اور فکر کی توانائیوں کا رُخ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت نگاری کی طرف موڑ دیا۔ دل نے عہد کر لیا کہ آئندہ قلم اُٹھے گا تو صرف مدحِ رسولِ عربیؐ میں۔ خدائے بزرگ و برتر سے مدد اور توفیق کی دعا مانگی اور ایک سعد گھڑی اس مشن کا ڈول ڈال دیا۔

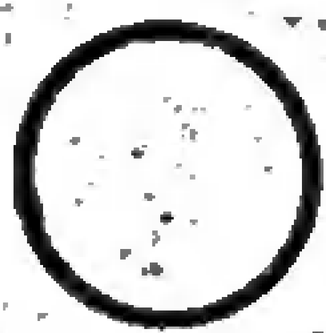
چھوٹے بچوں کے لئے سیرتؐ کے موضوع پر کتابوں کی قلت کے پیشِ نظر پہلی کتاب ہی ان کے لئے لکھی، حیاتِ اقدسؐ کے مختلف گوشوں کو منور کرنے والی کہانیوں کا مجموعہ "قصص الرسولؐ" کے نام سے چھپا اور خدائے قدوس کے کرم سے وُہ قبول عام پایا کہ شاید و باید۔ زیرِ نظر کاوش "رسولِ رحمتؐ" بھی بچوں کے لئے ہے۔ مگر ذرا اوپر کے AGE GROUP کے لئے ثانوی سطح کے طلبا، اور عام پڑھے لکھے لوگ اس سے بہتر طور پر مستفید ہو سکیں گے۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سراپا رحمت ہیں۔ آپؐ کی ذاتِ اقدس تمام جہانوں، سب امتوں اور سب زمانوں کے لئے ذریعہ ہدایت ہے۔ آپؐ آخری نبی ہیں۔ اور قیامت تک کائنات آپؐ ہی کے سایۂ رحمت میں رہے گی آپؐ کی رحمت دنیا میں بسنے والے سب لوگوں کے لئے ہے خواہ وہ کسی رنگ و نسل یا مذہب و ملت سے تعلق رکھتے ہوں۔

حضور سرورِ کائناتؐ کی شانِ رحمت کے حوالے سے بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور تا قیامت لکھا جاتا رہیگا

انتساب

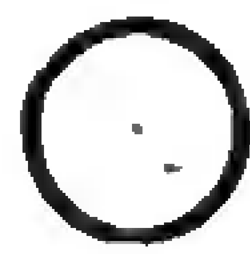
اُمّتِ مُسلمہ کے نوجوانوں کے نام



- اِس یقین کے ساتھ ـــ کہ وُہ رسولِ عربی ﷺ کی وراثت کے بہتر امین ہیں۔
- اِس توقع کے ساتھ ـــ کہ وُہ سیرت ﷺ کے پیغام کو عام کریں گے۔
- اِس خواہش کے ساتھ ـــ کہ وُہ امتِ مسلمہ کی سربلندی کا وسیلہ بنیں۔
- اِس عزم کے ساتھ ـــ کہ ان کے شب و روز اسلامی انقلاب کے لئے وقف ہونگے
- اِس درخواست کے ساتھ ـــ کہ وُہ اپنی زندگیوں کو اسلام کا عملی نمونہ بنائیں۔
- اِس دُعا کے ساتھ ـــ کہ ان کا کل آج سے بہتر ہو۔

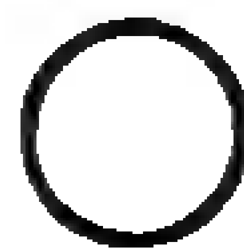
پہلا باب

رسولِ رحمتؐ



دشمنوں

کے لئے



رسولِ رحمتؐ

دشمنوں کے لئے

تعارف:۔ انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ نیکی کا جواب نیکی اور برائی کا جواب برائی سے دیا جائے۔ کوئی آپ سے اچھا سلوک کرے تو خواہ مخواہ دل میں اس کیلئے اچھے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور اگر کوئی برائی کرے، تو جی چاہتا ہے کہ اس کا بدلہ بھی اسی انداز سے چکایا جائے۔ انسان کا یہ فعل فطرت کے عین مطابق ہے۔ ایسا کرکے وہ مطمئن ہو جاتا ہے اور ذہن میں کسی قسم کی خلش نہیں رہتی۔

لیکن ہم اپنے اردگرد نظر دوڑائیں تو بعض اوقات یہ اصول ٹوٹتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ کچھ رشتے ایسے بھی ہیں جہاں انسان کا فطری جذبہ محبت "جیسا کروگے ویسا بھروگے" کے فلسفہ پر غالب آجاتا ہے۔ مثال کے طور پر والدین اولاد کے لئے بے حد مشفق اور مہربان ہوتے ہیں، بچہ اگر ناسمجھی میں یا جان بوجھ کر بھی ماں باپ کے ساتھ گستاخی کرے تو عام طور پر زیادتی کا جواب زیادتی سے نہیں دیا جاتا۔ بلکہ محبت اور شفقت کا جذبہ غالب آجاتا ہے۔)

میں نے یہاں والدین کے جذبۂ شفقت کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ دنیوی رشتوں میں ، ماں باپ ، خاص طور پر ماں کی محبت ضرب المثل ہے ۔ ممتا ہی وہ سچا جذبہ ہے جو اپنی اولاد کو کسی بھی تنگی یا تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا ۔ اور ماں کی محبت کی معراج یہ ہے کہ وہ اولاد کے لئے اپنی جان تک قربان کر سکتی ہے ۔

اب ذرا ایک اور حقیقت کی طرف آیئے ۔ وہ یہ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات رحیم بھی ہے کریم بھی ۔ مشفق بھی ہے مہربان بھی ۔ اور پھر وہ پروردگار بھی ہے یعنی سب کو روزی دیتا ہے اور پالتا ہے اس کے علاوہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اللہ کو اپنے بندوں سے محبت ہے ۔ کس قدر محبت ہے، اس کا جواب ہمیں مختلف احادیث سے ملتا ہے ۔ کہ حضور سرورِ کونین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا کہ اللہ کو اپنے بندوں سے اس سے کہیں زیادہ محبت ہے، جتنی کہ ماں کو اولاد سے ہوتی ہے یہاں کوئی پیمانہ مقرر نہیں فرمایا ۔ ماں کی محبت کو ہم مثالی سمجھتے ہیں اور اس سے زیادہ کا تصوّر نہیں کرتے ۔ مگر پتہ چلا کہ ماں کی ممتا تو کچھ بھی نہیں، خدائے بزرگ و برتر کو تو اپنے بندوں کے ساتھ اس سے کہیں زیادہ محبت ہے ۔

ایک قدم اور آگے بڑھیئے ۔ حضور سرورِ کائنات اللہ کے آخری

رسولؐ ہیں۔ آپؐ پر نبوّت اور شریعت ختم ہوگئی۔ قیامت تک آپؐ ہی کے دین کا ڈنکا بجے گا۔ آپؐ کے ننانوے صفاتی نام ہیں۔ لیکن ان میں سب سے اہم اور افضل "رحمت" ہے۔ اور اس حقیقت کی گواہی خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے دی ہے۔ سورہ انبیاء میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

ترجمہ:۔ اے نبی ہم نے آپؐ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بناکر بھیجا ہے۔

گویا آپؐ کی بعثت کا مقصد ہی یہ ہے کہ آپؐ کے مبارک وجود سے صرف اس دنیا ہی نہیں بلکہ تمام جہانوں پر اللہ کی رحمت کا نزول ہو۔ تو جس رحمت کی گواہی اللہ کی ذات دے رہی ہے۔ وہ رحمت الٰہی کا حصّہ ہی ہے، کوئی اس سے الگ چیز نہیں۔ رحمت کے جو پیمانے ذاتِ حق کے ہاں ہیں، انہیں کی جھلک ہمیں رحمۃ للعالمینؐ کے ہاں بھی ملے گی!

تو دوستو! اب موضوع کی طرف پلٹئے۔ اللہ کے برگزیدہ نبیؐ، جن کا وجود سراپا رحمت ہے، کسی خاص قوم، ملک، خطّے، علاقے یا وقت کیلئے نہیں ہیں، بلکہ ان کی ذات بابرکات تو پوری کائنات کے لئے باعث رحمت ہے۔ وہ اپنوں، پرایوں، دوست، دشمن، سبھی کے لئے رحمت ہیں!

اس باب میں دشمنوں کے ساتھ حضور سرورِ کونینؐ کے حُسنِ سلوک کا ذکر ہے۔ دوستوں کو تو سبھی چاہتے ہیں لیکن دشمنوں کو چاہنے والا کوئی نہیں ملے گا۔ جناب رسالتمآبؐ نے ان کو بھی اپنے سایۂ رحمت میں لیا، اُن کی سختیاں سہیں، مگر اُف تک نہ کی۔ ان کے مظالم برداشت کئے، لیکن بد دُعا تک نہ دی، بد دعا تو دُور کی بات ہے، الٹی اُن کے حق میں دعائے خیر کی۔ ان کو پریشان دیکھا، تو خود بھی پریشان ہو گئے۔ انہیں مفلس پایا تو دل بھر آیا، اور ہر ممکن مدد فرمائی۔ خون کے پیاسوں کے ساتھ محبّت، شفقت اور رحمت کی یہ ایک انوکھی مثال ہے۔ اس کی نظیر ماضی میں ہے، نہ مستقبل میں ملے گی۔

اُس باب کو ان عنوانات کے تحت ترتیب دیا گیا ہے۔

1۔ انتقام سے گریز
2۔ بد دعاء سے گریز
3۔ قوم کا غم
4۔ فتح مکّہ اور سیلابِ رحمت

۱- انتقام سے گریز

ابوجہل کا واقعہ:- انتقام انسانی فطرت ہے۔ مگر حضورؐ نے اپنی ذات کی خاطر کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا اور نہ ہی اس کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ ابوجہل کی اسلام دشمنی کسی سے پوشیدہ نہیں، حضورؐ نے کفار کو حق کی دعوت دی، تو وہ مخالفت میں سب سے آگے تھا۔ باقی تو محض زبانی کلامی مخالفت کرتے تھے، جبکہ ابوجہل عملی تشدّد سے بھی باز نہیں آتا تھا۔ ایک دفعہ حضور سرورِ کائناتؐ خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ یہ بدبخت بھی اُدھر جا نکلا۔ آپؐ اطمینان سے نماز پڑھتے رہے، گلے میں چادر پڑی ہوئی تھی۔ ظالم نے موقع غنیمت جانا اور چادر کو اس زور سے کھینچا کہ جنابِ رسالتمآبؐ کی آنکھیں اُبل پڑیں۔

حضرت حمزہؓ حضورؐ کے چچا تھے۔ ابھی اسلام نہیں لائے تھے لیکن بھتیجے سے ہمدردی رکھتے تھے۔ ابوجہل کی زیادتی کا سنا تو بے تاب ہو گئے۔ اُسی لمحے اس کی تلاش میں نکلے۔ دیکھا کہ خانہ کعبہ میں بیٹھا گپیں ہانک رہا ہے۔ سیدھے اس کی طرف گئے اور اپنی کمان اس زور سے اس کے سر پہ ماری، کہ خون جاری ہو گیا۔

ابوجہل ہکّا بکّا رہ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ حمزہؓ کو کیا ہو گیا۔

وُہ تو انہیں اپنا ساتھی سمجھتا تھا، لیکن آج جو تیور بدلے ہوئے دیکھے تو پریشان ہوگیا۔ ابھی کچھ کہنے ہی کو تھا کہ حضرت حمزہؓ گرجے، خبردار! جو محمدؐ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی طرف میلی آنکھ سے دیکھا۔ کیا تم نے انہیں لاوارث سمجھ رکھا ہے۔ ابھی ہم زندہ ہیں۔

ابو جہل کو تو جیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔ زبان تک نہ ہلائی۔ اُسے تو حضرت حمزہؓ کی یہ ساری کارروائی سخت اچنبا لگ رہی تھی۔ اودھر سے فارغ ہونے کے بعد حضرت حمزہ سیدھے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ابوجہل سے انتقام لینے کی داستان کہہ سُنائی۔

اس پر رحمتِ دو جہانؐ نے فرمایا چچا جان! مجھے اس انتقام وغیرہ سے کوئی دلچسپی نہیں۔ ہاں البتّہ اگر آپ مسلمان ہوجائیں تو مجھے بے حد خوشی ہوگی۔

حضورؐ کے اس ارشاد نے حضرت حمزہ کی کایا پلٹ دی، اور آپ مسلمان ہو گئےؓ)

دوستو! غور کریں ایک بدترین دشمن سے انتقام لئے جانے کی ذرا خوشی نہیں۔ اور اگر خوشی ہے تو اس بات کی کہ ان کے ایک عزیز اسلام کی دولت سے مالا مال ہوں اور ہدایت کی راہ پائیں۔

(عمیرؓ بن وہب کا واقعہ:۔ ایسا ہی ایک واقعہ ۳ھ میں پیش آیا

غزوۂ بدر میں قریش مکہ کا زبردست نقصان ہوا تھا۔ ان کے کئی نامور سردار مارے گئے تھے۔ کفار کو اس کا بہت صدمہ تھا۔ وہ مسلمانوں سے انتقام لینے کی تدبیریں سوچتے رہتے تھے۔ چنانچہ کافی غور و خوض کے بعد فیصلہ کیا کہ کسی طریقہ سے حضورؐ کا ہی خاتمہ کردیں۔

اب مسئلہ پیدا ہوا کہ یہ کام کون کرے۔ کوئی بھی جان کو خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ قریش کے ایک سردار صفوان بن امیہ نے اس کا حل یوں نکالا کہ حضورؐ کے ایک پرانے دشمن عمیر بن وہب کو بھاری انعام کا لالچ دے کر اس کام کے لئے آمادہ کرلیا۔

چنانچہ عمیر نے اپنی تلوار زہر میں بجھائی اور منزلیں طے کرتا ہوا مدینے پہنچ گیا، موقعہ کی تلاش میں تھا کہ صحابہؓ کو شک گذرا۔ پکڑ کر تفتیش کی تو اس نے سارا قصہ کہہ سنایا۔

مقدمہ جناب سرور کونینؐ کے حضور پیش ہوا تو آپؐ نے کمال مہربانی فرماتے ہوئے معاف کردیا اور فرمایا کہ اُسے کھلی چھٹی ہے۔ جہاں جی چاہے چلا جائے۔ عمیر نے عرض کی یا رسول اللہؐ! آپؐ جیسی مشفق اور مہربان ہستی کو چھوڑ کر اب اور کہاں جاؤں گا۔ یہ کہا اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگیا۔

قریش کی سازش:۔ اور آگے چلیں ۶ھ میں حدیبیہ کے مقام پر مسلمانوں اور کفار کے درمیان ایک معاہدہ ہوتا ہے، جسے تاریخ میں

صلح حدیبیہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ معاہدہ قریش مکہ نے مسلمانوں کی تعداد اور طاقت سے خوفزدہ ہو کر کیا۔ مگران کے دلوں میں کھوٹ موجود تھا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ اِدھر صلح کے لئے بات چیت ہو رہی تھی، اور دونوں طرف کے سفیر شرائط طے کر رہے تھے، ادھر قریش نے خفیہ طور پر اسّی آدمیوں کی ڈیوٹی لگائی کہ معاہدہ طے ہونے سے قبل ہی کسی طریقے سے رسول خدا کو ہلاک کر دیں۔ یہ لوگ بھیس بدل کر اسلامی لشکر میں داخل ہو گئے اور موقع کی تلاش میں رہے۔ مگر اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو کفار کے اس منصوبے سے آگاہ کر دیا۔ سب سازشی گرفتار ہوتے اور حضورؐ کے سامنے پیش کئے گئے۔ حضور سرورِ کونینؐ کی رحمت ملاحظہ ہو کہ سزا دینے کی بجائے انہیں معاف فرما دیا۔ اور اس حسنِ سلوک کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ سب کے سب مسلمان ہو گئے۔[۱]

یہود کی سازش:۔ ہجرت کے وقت مدینہ میں کافی تعداد میں یہودی آباد تھے حضرت رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ایک معاہدے کے تحت انہیں وہیں رہنے کی اجازت دے دی۔ مگر وہ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت سے سخت خوفزدہ تھے۔ چنانچہ رسولِ خدا کی جان کے درپے ہو گئے۔ قصہ کچھ یوں ہے کہ ایک روز آپؐ قتل کے کسی مقدمے میں منصف کے طور پر بلایا ایک دیوار کے سائے میں

۱۔ ترمذی

نشست کا انتظام کیا گیا۔ منصوبہ یہ تھا کہ موقع پاکر عمرو نامی یہودی دیوار پر سے ایک بھاری پتھر آپؐ پر لڑھکا دے گا۔ لیکن اللہ کے اپنے پیارے نبیؐ کو پہلے سے آگاہ کر دیا اور آپؐ اپنی جگہ سے ہٹ گئے۔ سازش کی ناکامی پر یہودیوں کے اوسان خطا ہو گئے کہ اب رسولِ خداؐ سخت سزا دیں گے مگر آپؐ نے ایسا کرنے کی بجائے انہیں سازو سامان سمیت شہر چھوڑنے کی اجازت دے دی اور وہ خیبر جاکر آباد ہو گئے[1]۔

یہودن کی حرکت:۔ خیبر میں بھی یہودیوں کی سازشیں جاری رہیں تو ۷ھ میں مسلمانوں نے یہ قلعہ بھی فتح کر لیا۔ فتح کے بعد رسولِ خداؐ کچھ دنوں کے لئے وہیں رک گئے۔ یہودی سردار مرحب کو شکست کا سخت صدمہ تھا۔ چنانچہ اپنی بھاوج زینب بنت حارث کے ساتھ مل کر حضورؐ کو زہر دینے کا منصوبہ بنایا۔ پروگرام کے مطابق جنابِ رسالتمآبؐ کو چیدہ چیدہ صحابہ کے ہمراہ دعوت پر بلایا اور کھانے میں زہر ملا دیا۔ حضور سرورِ کونینؐ کو سازش کا پیشگی علم ہو گیا، مگر جن صحابہؓ نے ایک دو نوالے لے لئے تھے، اُن کی حالت غیر ہو گئی۔ معاملہ کی تفتیش ہوئی تو زینب نے اقرارِ جرم کر لیا۔ مگر رحمۃ للعالمینؐ نے انتقام لینے کی بجائے معاف فرما دیا[2]۔

۱۔ بخاری 2۔ بخاری

2- بد دعاء سے گریز

دشمنوں کے حق میں بد دعا کرنا انسانی فطرت میں شامل ہے۔ لیکن پیغمبر کا درجہ عام انسانوں سے کہیں بلند ہوتا ہے، وُہ تو گالیاں سُن کر بھی دعا دیتے ہیں۔ اور پھر حضور نبی اکرمؐ تو سبھی کے سردار اور رحمۃ للعالمین ہیں۔ قریش مکّہ نے آپؐ اور آپؐ کے ساتھیوں پر مظالم کی انتہا کر دی، لیکن جناب رسالتمآبؐ کی شانِ رحمت ملاحظہ ہو کہ کسی کے بارے میں بھی بد دعا نہ سوچا۔ ایک دفعہ بعض صحابہ نے عرض کی۔ یا رسول اللہؐ! کفار کے مظالم حد سے بڑھتے جا رہے ہیں۔ ان کے حق میں بد دعا فرمائیے۔ یہ سُن کر چہرہ مبارک سُرخ ہو گیا۔ فرمایا:۔

"میں دنیا کے لئے لعنت نہیں بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔"[۱]

اہلِ طائف:۔ [۱] مکّہ والوں نے ہدایت پر کان نہ دھرے تو حضورؐ طائف تشریف لے گئے کہ شاید وُہ دینِ حق قبول کر لیں۔ مگر طائف کے سردار مکّہ والوں سے کم نہ نکلے۔ انہوں نے آپؐ کی بات سننے سے ہی انکار کیا۔ یہی نہیں بلکہ شہر کے آوارہ لڑکے پیچھے لگا دیئے جو آپؐ پہ آوازے کستے تھے اور پتھّر مارتے جاتے تھے۔ یہ سنگ باری اس قدر ہوئی کہ جسم مبارک

۱- بخاری-

ایک ایک حصّہ زخمی ہوگیا اور جوتے خُون سے بھر گئے۔
تھک کر ایک باغ کی دیوار کے ساتھ بیٹھ گئے تو غیب سے آواز آئی
رسول اللہؐ! اگر حکم ہو تو ان پہاڑوں کو طائف پر الٹ دوں اور بستی
والوں کو تہس نہس کر دوں۔
حبیبؐ خدا کی شان رحمت ملاحظہ ہو کہ زخموں سے چُور ہونے کے باوجود
انتقام لینے سے انکار کر دیتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں "یہ ہرگز نہیں، ممکن ہے انکی
نسل سے ہی اللہ کی عبادت کرنے والے پیدا ہو جائیں"[1]
دس بارہ برس بعد اہلِ طائف کو دوبارہ اسلام کی دعوت دی گئی، تو وہ
مسلمانوں کے مقابلے میں فوج لے آئے۔ اُن کی ہٹ دھرمی دیکھی تو بعض
صحابہؓ نے عرض کی۔ یا رسول اللہؐ انہیں سمجھا کر بہت دیکھ لیا شائید ہدایت
اُن کے نصیب میں نہیں، ان کے لئے بد دُعا کیجئے حضور سردارِ کونینؐ نے
ہاتھ اُٹھائے، لوگ سمجھے کہ بد دُعاء کریں گے۔ مگر آپؐ کی زبانِ مبارک سے
نکلا۔

"یا اللہ! طائف والوں کو اسلام نصیب کر اور انہیں دوست بنا کر مدینہ میں لا"
اور پھر سب نے دیکھا کہ رسولِ خُدا کی دُعا منظور ہوئی اور اہلِ طائف اسلام
کی دولت سے مالا مال ہوئے[2]

1۔ بخاری۔ 2۔ بخاری

میدانِ اُحد:- اُحد کے میدان میں مسلمانوں کے پاؤں اکھڑے تو کفار کی ایک ٹولی نے حضورؐ کو گھیر لیا۔ ہر کوئی بڑھ بڑھ کر وار کرنے لگا جس کے ہاتھ جو چیز آئی اٹھا کر پھینک دی۔ کسی نے تیر مارے کسی نے تلواریں چلائیں، اور کسی نے پتھر پھینکے۔ حضور سرورِ عالمؐ کو کئی زخم آئے۔ دندان مبارک بھی شہید ہو گئے۔ ایسے میں کوئی اور ہوتا تو غصّے سے باؤلا ہو جاتا اور دشمن کو نہ جانے کیا کیا کوسنے دیتا۔

مگر جنابِ رسالتمآبؐ کے قربان جایئے کہ دشمنوں کے حق میں مسلسل دُعا فرماتے رہے۔

"خدایا! ان کو معاف کر دینا کیونکہ یہ ناسمجھ ہیں۔"

3- قوم کا غم

ا ہو سکتا ہے کہ کوئی نیک اور رحمدل شخص اپنے دشمنوں کے مظالم جرائم کا نوٹس نہ لے۔ اور دل میں یہ سوچ لے کہ اللہ بہتر انصاف کرتا ہے، وُہ خود ہی ظالموں سے نمٹ لے گا۔ اور جب اللہ کی رسی کھنچنے لگے گی تو وہ لازماً اطمینان کا سانس لے گا، کہ چلو اب واسطہ پڑے سے پڑ گیا ہے۔ اگلی پچھلی کسر نکل جائے گی۔

مگر حضور سرورِ کونینؐ کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ وہاں تو یہ

را نہیں کہ دشمن کو اللہ ہی پکڑ لے۔ وہاں بھی رحمت جوش میں آجاتی
۔ آزمائش دین کی ہو یا دنیا کی، ہر طرف سے دل کڑھتا ہے۔ کہیں یہ
ہے کہ دشمن ہدایت سے محروم نہ رہ جائیں تو کبھی یہ فکر جان کھائے
رہی ہے کہ کہیں بھوک سے ہلاک نہ ہو جائیں۔ دشمن کے لئے رحمت
یہ انداز صرف اور صرف جناب رحمت للعالمینؐ کے ہاں مل سکتا ہے۔

دشمن ہدایت سے محروم نہ رہیں:۔ حضور سرورِ کائناتؐ نے
عرب کو حق کی دعوت دی تو جواب بے حد حوصلہ شکن تھا۔ بات
تو کجا، وہ تو الٹا آپؐ کا مذاق اڑاتے اور ہر طرح سے مخالفت کرتے۔
حضورؐ جس قدر انہیں نیکی کی طرف بلاتے، وہ اتنا ہی کفر پر اصرار کرتے
قرآن حکیم کا نزول جاری تھا۔ کفار کی مخالفت میں شدت آئی، تو یکے
بعد دیگرے ایسی آیات نازل ہوئیں، جن میں تنبیہ تھی۔ اور کفار کو
دھمکایا گیا تھا کہ اگر وہ اپنی کرتوتوں سے باز نہ آئے، تو ان سے
اور طریقے سے بھی نمٹا جا سکتا ہے۔ سورۂ ہود میں یہ تنبیہ کچھ زیادہ
ہی واضح انداز میں تھی۔

حضور سرورِ کائناتؐ کا جذبہ رحمت ملاحظہ ہو۔ کہ ایسی آیات کے تسلسل
سے پریشان ہو گئے۔ طبیعت نڈھال رہنے لگی اور صحت جواب دے گئی۔
صحابہؓ کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ آخر کیا ماجرا ہے۔ ادب کا تقاضا تھا کہ

کھل کر پوچھ بھی نہیں سکتے تھے۔ مگر حضرت ابوبکر صدیقؓ سے نہ رہا گیا، ایک دن پوچھ ہی لیا کہ یا رسول اللہؐ! کیا بات ہے آپؐ دن بدن بوڑھے ہوتے جا رہے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ ابوبکرؓ مجھے سورۂ ہود اور اس قسم کی دوسری سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے۔ قوم کی ہٹ دھرمی سے پریشان ہو ڈرتا ہوں، مبادا وہ کفر پہ ڈٹی رہے اور ہدایت کی مہلت ختم ہو جائے۔

سبحان اللہ! ہادیٔ حقؐ کی کریمی کے قربان جاؤں، کہ کفار دشمنی میں باؤلے ہو رہے ہیں، کون سا ستم تھا جو آپؐ پر نہ توڑا گیا، اور ادھر آپؐ اس غم میں گھلے جا رہے ہیں کہ کہیں وہ راہِ ہدایت سے محروم نہ رہ جائیں۔

دشمن بھوکے نہ رہیں:۔ (قریش مکہ کی سختیاں حد سے بڑھ گئیں تو حضورؐ رسالتمآبؐ اپنے ساتھیوں سمیت ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ ہجرت ہماری تاریخ کا ایک نہایت اہم واقعہ ہے، اور اسی سے اسلامی کیلنڈر کا آغاز ہوتا ہے۔ مدینہ پہنچ کر مسلمانوں کو کچھ سکون نصیب ہوا۔ اسلام کی قوت میں اضافہ ہونے لگا اور اس بستی پر اللہ کی رحمتیں نازل ہونے لگیں۔ جن کا سلسلہ آج تک جاری ہے اور رہتی دنیا تک جاری رہے گا۔

کرنا خدا کا یہ ہوا، کہ مسلمانوں کو مدینہ آئے ابھی تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ مکہ میں قحط پڑ گیا، غلے کی قیمتیں آسمان سے باتیں کرنے لگیں۔ امیر تو خیر جوں توں کر کے گذارہ کر لیتے تھے، مگر غریبوں کا جینا دوبھر ہو گیا، اور نوبت

28590

قوں تک پہنچ گئی۔

حضور رحمتِ دو عالَم کو پتہ چلا تو افسردہ ہو گئے۔ سوچا کہ مکّے والے لاکھ
ن سہی، لیکن ہیں تو اللہ کی مخلوق اور انہیں یوں فاقوں سے نہیں مرنا چاہیئے۔
انچہ اسی وقت صحابہؓ کو مسجد میں جمع فرما کر صورتِ حال سے آگاہ کیا۔
ں سے جو ہو سکا لے آیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اچھی خاصی رقم جمع ہو گئی۔
ری طور پر رقم ایک ایلچی کے حوالے کی گئی کہ مکہ جا کر ابوسفیان کے
رد کرے، تاکہ جلد از جلد مستحقین میں تقسیم ہو سکے۔

ادھر مکّہ والوں کا حال ملاحظہ ہو۔ ایلچی رقم اور حضورؐ کا پیغام لے کر
سفیان کی خدمت میں حاضر ہوا تو قریش کا یہ سردار حیرت سے بُت بن گیا۔
کسی مخالف سے اس قسم کے حسنِ سلوک کا سوچ بھی نہ سکتا تھا۔ فوراً ذہن
ں خیال آیا ممکن ہے یہ کوئی سیاسی چال ہو اور محمدؐ (صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم)
ں مکّہ والوں کو اپنا گرویدہ بنانا چاہتے ہوں، یہ سوچ کر ارادہ کیا کہ رقم
نا دے۔ ابھی اسی کشمکش میں ہی تھا کہ مکّہ کے فاقہ زدوں کو جنابِ
ۃ للعالمینؐ کے اس تحفے کا علم ہو گیا، وہ تو سرپٹ دوڑتے آئے اور اپنے
دار کو ایسے ارادے سے باز رکھا۔

ابوسفیان مجبور ہو گیا۔ امدادی رقم مستحقین میں تقسیم کر دی۔ مکہ کے بے بس اور
ر لوگوں کے لئے حضورؐ کا یہ تحفہ رحمت ثابت ہوا۔ وہ قحط کے ہاتھوں ہلاک

کھٹے سے بچ گئے۔ اور نبیِ رحمتؐ کے گُن گانے لگے۔

دوستو! عالمی تاریخ کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک پڑھ جایئے دشمنوں کے ساتھ محبت و شفقت کی ایسی مثال ڈھونڈنے سے نہ ملے گی۔ آج کا چلن تو یہ ہے کہ دشمن کو پریشانی اور مصیبت میں مبتلا کرکے اس کا زور توڑا جائے۔ اور قدموں میں گرنے پر مجبور کر دیا جائے۔ اس قسم کے حسنِ سلوک کی توقع صرف اور صرف حضور سرورِ کائناتؐ اور رحمتِ دوعالمؐ کی ذاتِ اقدس سے ہی کی جا سکتی ہے۔

واقعۂ دوم:۔ اسی طرح کا ایک اور بھی واقعہ سیرت اور احادیث کی کتابوں میں ملتا ہے۔ ہجرت کے بعد مدینہ میں اسلامی ریاست کی بنیاد پڑی مکّہ والوں کے مظالم سے نجات ملی، تو حضورؐ تبلیغِ دین کے کام میں پوری طرح سے مصروف ہوگئے۔ اردگرد کے قبائل اور علاقوں میں سفارتیں بھیج کر اسلام کی دعوت دی، حق کی آواز میں اس قدر کشش تھی کہ بہت سارے تو اپنے آپ ہی کھنچتے چلے آئے اور دائرۂ اسلام میں داخل ہوگئے۔ جبکہ بعض نے آسانی سے باپ دادا کا مذہب نہ چھوڑا اور قریش مکّہ کی طرح مسلمانوں کے دشمن بن گئے۔

انہیں لوگوں میں یمامہ کا حاکم ثمامہ بھی شامل تھا۔ اس کا تعلق بنو حنیفہ کے قبیلہ سے تھا، بے حد دلیر اور شہ زور انسان تھا۔ یمامہ کی زمینیں بہت

اگتی تھیں۔ غلہ اس کثرت سے پیدا ہوتا تھا کہ مکہ سمیت ارد گرد کے علاقوں کو بھی فراہم کیا جاتا تھا۔

ثمامہ کو قدرت نے ہدایت بخشی اور وہ اسلام کی دولت سے مالا مال ہوا۔ تو کفارِ مکہ کی حیرت کی انتہا نہ رہی، کہ یہ شخص مسلمان کیسے ہو گیا۔ وہ تو اُسے اپنا ساتھی اور مددگار سمجھتے تھے۔ چنانچہ طعنہ دیا کہ ثمامہ! ہمیں توقع نہیں تھی کہ نئے دین کا جادو تمہارے اوپر اس قدر چل جائے گا اور تم اپنے آباؤ اجداد کا مذہب ترک کر دو گے۔

کفارِ مکہ کو تو دراصل یمامہ سے آنے والے غلّے کی فکر تھی۔ اور ڈر تھا اسلام قبول کرنے کے بعد ثمامہ کہیں اس کی ترسیل ہی بند نہ کر دیں۔ چنانچہ یہی ہوا، مکہ والوں کے طعنوں نے ثمامہ پر الٹا اثر کیا۔ اسلام کے بارے میں غلط سلط باتیں سُن کر طیش میں آ گئے اور کہا خدا کی قسم! اب رسول اللہؐ کی اجازت کے بغیر تمہیں اناج کا ایک دانہ نہیں دوں گا۔

اس بندش سے مکہ میں اناج کا کال پڑ گیا، نوبت فاقوں تک پہنچی تو قریش نے بھی اُسی دروازے کی طرف رجوع کیا، جہاں سے کوئی سائل خالی نہیں جاتا۔ ابوسفیان دوڑا دوڑا مدینے گیا اور رحمتِ دوعالمؐ سے درخواست کی کہ ثمامہ کو غلّہ کی بندش ختم کرنے کے لئے کہیں۔

ابوسفیان کی فریاد سُن کر سرکارِ دوجہاں کی نگاہوں کے سامنے شعب[۱] ابی طالب

۱۔ شعب ابی طالب:- عربی زبان میں شعب کا مطلب ہے پہاڑوں کے درمیان تنگ وادی
(باقی اگلے صفحے پر)

کا نقشہ پھر گیا۔ یہ وہی قریش تھے جنہوں نے حضورؐ اور ان کے خاندان کو مکہ سے باہر ایک ویران جگہ پر دھکیل دیا تھا۔ ان کا مکمل طور پر معاشی اور معاشرتی بائیکاٹ کیا تھا۔ خاندانِ رسالتؐ پر تکالیف اور مصائب کے یہ پہاڑ تین سال تک ٹوٹتے رہے۔ مگر انہوں نے اُف تک نہ کی۔

کوئی عام آدمی ہوتا تو ابوسفیان کو شعب ابی طالب کا واقعہ ضرور یاد دلاتا۔ بعد میں بے شک غلہ بھیجنے کی اجازت بھی دے دیتا۔ لیکن حضور سرورِ کونینؐ کے قربان جائیں کہ اس قصے کا اشارۃً بھی ذکر نہیں کیا اور ابوسفیان پر کسی قسم کا احسان جتلائے بغیر ثمامہ کو پابندی ختم کرنے کا حکم دے دیا۔

(بقیہ حاشیہ)

رسولِ خداؐ نے قریش کو حق کی دعوت دی تو وہ دشمنی میں باؤلے ہوگئے۔ اور تکلیفوں کے علاوہ ایک ظلم یہ بھی کیا کہ حضورؐ کے خاندان کو مکہ سے نکال دیا۔ چنانچہ سب نے شہر سے باہر اس وادی میں پناہ لی۔ تین سالہ طویل یہ دَور انتہائی مصائب کا زمانہ تھا حضورؐ کے چچا ابوطالب بھی ہمراہ تھے۔ چنانچہ انہیں کے نام پر اس وادی کو شعب ابوطالب کہا جاتا ہے۔

۱۔ **ثمامہ کا قبولِ اسلام:۔** ثمامہ کے ایمان لانے کا قصہ بھی نہایت دلچسپ ہے۔ طاقت اور دولت کے نشے میں چُور ثمامہ کو حق کی دعوت دی گئی تو اس کا ردِ عمل بہت سخت تھا۔ نہ صرف یہ کہ دعوت رد کردی بلکہ الٹا مسلمانوں کا دشمن بن گیا۔ علاقے میں بااثر تھا۔ چنانچہ ہمسایہ قبائل کو بھی ان کے خلاف اکسانے لگا۔ حضورؐ نے اسے راہِ راست پر لانے کی بہت کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ آخر کار مسلمانوں کا ایک دستہ اس کی گرفتاری کے لئے مقرر کیا۔ ثمامہ پکڑا گیا اور مسجدِ نبوی میں لا کر ایک ستون سے باندھ دیا گیا۔ آپؐ کو خبر ہوئی تو تشریف لائے اور ثمامہ سے پوچھا کہ اب بتاؤ تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ وہ بولا کہ میں تو قاتل ہوں بے شمار انسانوں کے خون سے ہاتھ رنگے ہیں۔ اگر آپ مجھے قتل کرادیں گے تو محض ایک خونی مارا جائے گا۔ لیکن اگر احسان کریں اور رہا کردیں تو عمر بھر شکرگذار رہوں گا۔ اور ہاں اگر فدیہ لینا چاہتے ہو تو بڑی سے بڑی رقم دینے کے لئے تیار ہوں۔

حضورؐ یہ جواب سُن کر خاموش رہے۔ گھر تشریف لے گئے۔ اگلے روز مسجد میں آئے تو ثمامہ سے پھر یہی سوال کیا۔ اس کا جواب بھی پہلے والا ہی تھا۔ تیسرے روز بھی یہی سوال و جواب ہوئے تو حضور رحمتِ دوعالمؐ نے صحابہؓ کو حکم دیا کہ ثمامہ کو آزاد کردیں۔ یہ سُن کر سبھی حیران ہوئے۔ کہ اس قدر ہوشیار اور طاقتور آدمی بڑی مشکل سے قابو میں آیا تھا اور حضورؐ نے ایسے ہی رہا کردیا۔ خیر چپکے ہو رہے۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

4۔ فتح مکّہ اور سیلابِ رحمت

جناب رحمۃ للعالمینؐ کی شانِ رحمت کا بیان انسانی بس سے باہر ہے۔ یہ وُہ موضوع ہے۔ جس کی ابتداء تو ہے، انتہا کوئی نہیں، اسے کسی بھی زاویے اور کسی بھی پہلو سے دیکھیں، عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ لیکن جناب رسالتمابؐ کی رحمت اور شفقت کا جو منظر فتح مکّہ کے موقعہ پر دیکھنے میں آیا اُس کی مثال نہیں۔

؎ مکّہ آپؐ کا جدّی پشتی شہر، جہاں آپؐ پیدا ہوئے، پلے، بڑھے۔ جہاں کے ذرّے ذرّے میں آپؐ کی خوشبو رچی بسی تھی، جہاں آپؐ نبوّت سے سرفراز ہوئے تھے۔

مگر آپؐ پیغامِ حق لے کر اٹھے تو سبھی دشمن ہو گئے، وہ کون سا ظلم تھا جو آپؐ اور آپؐ کے ساتھیوں پر نہ ڈھایا گیا۔ اور بالآخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ آپؐ کو

(بقیہ حاشیہ)

ادھر ثمامہ مسجد سے نکلا تو دل کی دنیا بدل چکی تھی۔ حضورؐ کے ہاتھوں یوں رہائی پر سخت حیران تھا۔ بہر حال ایک درخت کی آڑ میں جا کر غسل کیا۔ اور دوبارہ حاضرِ خدمت ہو گیا۔

حضورؐ نے پوچھا: "ثمامہ اب کیسے آئے ہو!" عرض کی یا رسول اللہؐ! ابھی تھوڑی دیر پہلے تک میں آپؐ کو دنیا بھر میں اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھتا تھا لیکن اب آپؐ میرے سب سے بڑے محبوب اور محسن ہیں۔ میں آپؐ کے دین کو سب سے بُرا سمجھتا تھا لیکن اب وہی دینِ اسلام مجھے دنیا بھر میں سب سے زیادہ عزیز ہے۔ میں آپؐ کے شہر سے بے انتہا نفرت کرتا تھا مگر اب وہی شہر انتہائی پسندیدہ ہے۔ یہ کہا اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

عزیزو! غور کرو یہ عظیم انقلاب کیسے برپا ہو گیا! دل و دماغ کی کیفیت کیسے بدل گئی۔ ثمامہ جیسا سرکش اور باغی سردار مطیع و فرمانبردار کیونکر ہو گیا۔ یہ سب کچھ طاقت کے بل بوتے پر تو نہیں ہوا تھا۔ مسلمانوں کی تلوار نے تو اسے رام نہیں کیا تھا۔ یہ سب رحمت للعالمینؐ کی نظرِ کرم کا نتیجہ تھا، جو اپنے تو اپنے غیروں اور دشمنوں کے لئے بھی رحمت ہی رحمت تھی۔

اللہ کے حکم پر مدینہ کی طرف ہجرت کرنا پڑی۔
جب ٹھیک آٹھ برس بعد آپؐ اپنی طاقت کے بل بوتے پر ایک فاتح کی حیثیت سے شہر میں داخل ہوئے تو قریشِ مکہ بے حد خوفزدہ تھے کہ کہیں حضورؐ انہیں ان کی کرتوتوں کی سزا نہ دیں۔ لیکن سرکارِ دوجہاںؐ نے سبھی کو اپنی رحمت کے دامن میں سمیٹ لیا اور کسی کو کچھ نہ کہا!

یوم قتل نہیں، یوم رحمت:۔ شہر میں داخل ہونے سے قبل حضورؐ نے لشکر کو کئی دستوں میں بانٹ دیا تھا اور ہر دستہ کسی مہاجر یا انصار سالار کی کمان میں تھا۔ اس قدر بڑی کامیابی پر کچھ لوگ جذباتی بھی ہو رہے تھے۔ انہیں میں ایک انصاری سردار سعدؓ بن عبادہ بھی تھے۔ مکہ میں داخل ہوتے ہی ابوسفیان پہ نظر پڑی تو جوش سے پکارا۔

"ابوسفیان! آج قتل اور خونریزی کا دن ہے۔ آج کے دن خدا قریش کو ذلیل کرے گا۔"

یہ سُن کر ابوسفیان کے ہوش اُڑ گئے۔ بھاگا بھاگا حضورؐ کی خدمت میں آیا اور عرض کی کہ یارسولؐ اللہ! کیا آپؐ نے اپنی ہی قوم کے قتل و غارت کا حکم دے دیا ہے۔ سرکارِ دوجہاںؐ نے فرمایا ہرگز نہیں۔ سعدؓ غلط کہہ رہے ہیں۔ یاد رکھو، آج کا دِن تو لطف و کرم اور رحمت کا دن ہے۔
صرف یہی نہیں بلکہ نبیِ رحمتؐ نے سعدؓ کو جذباتی ہونے کی سزا بھی دی۔

وہ یہ کہ اُن کی جگہ اُن کے بیٹے کو دستہ کا کمانڈر مقرر کر دیا۔

ابوسفیان کا گھر دارالامان:۔ ابوسفیان نے مسلمانوں پر بہت ظلم ڈھائے تھے۔ مدینہ میں بھی انہیں چین سے نہ بیٹھنے دیا تھا۔ بدر کی شکست کے موقع پر اس نے قسم کھائی تھی کہ جب تک انتقام نہیں لوں گا، چین سے نہیں بیٹھوں گا۔ مکہ فتح ہوا تو سب کا خیال تھا کہ اُسے سزا ضرور ملے گی۔ لیکن رسول اللہؐ نے سب سے پہلے امان ہی اُسے دی اور عزت افزائی کرتے ہوئے فرمایا کہ جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے لے گا، اُسے کچھ نہیں کہا جائے گا۔

عکرمہ کی معافی:۔ ابوجہل کے بیٹے عکرمہ کو مسلمانوں کی فتح کا بے حد دکھ تھا۔ مگر بس نہیں چل رہا تھا۔ اِدھر اُدھر سے پندرہ بیس ساتھی جمع کر لئے اور اسلامی لشکر کے ایک دستے پر حملہ کر دیا۔ بھلا مقابلہ کیا کرتا۔ شکست کھا کر فرار ہوگیا۔ جنگلوں اور صحراؤں میں مارا مارا پھرتا رہا۔ جب کہیں امان نہ ملی تو درِ رسالتؐ کی طرف رجوع کیا اور جناب رحمۃ للعالمینؐ نے بہ کمال شفقت نہ صرف معاف کر دیا، بلکہ مالی امداد بھی فراہم فرمائی۔

صفوان کی معافی:۔ صفوان بن امیہ قریش کے سرداروں میں سے تھا۔ رسول اللہؐ کی ذات مبارک سے اس کی دشمنی اس حد تک پہنچی ہوئی تھی کہ ایک شخص عمیر بن وہب کو انعام کا لالچ دے کر آپؐ کے قتل پر مامور کیا تھا۔ غیر محبوب خدا کا بال بیکا کرنے کی جرأت کیسے ہو سکتی تھی۔ عمیر پکڑا گیا اور اسلام لے آیا۔

مکہ فتح ہؤا تو صفوان مارے خوف کے جدہ کی طرف بھاگ گیا۔ دراصل وہ سمندر کے راستے یمن جانا چاہتا تھا سفر کا مناسب انتظام نہ ہوسکا تو خودکشی کا ارادہ کرلیا۔ عمیر بن وہب جو اس وقت اسلام قبول کر کے صحابی بن چکے تھے، کو پتہ چلا تو سرکارِ دو جہاںؐ کے حضور صفوان کی سفارش کی۔ آپ نے فرمایا وہ تو یونہی جان ہلکان کر رہا ہے۔ ہمیں تو اس سے کوئی عداوت نہیں۔ اوروں کی طرح اس کے بھی پچھلے گناہ بخشے جا چکے ہیں۔ عمیر امان کا یہ پیغام لے کر صفوان کے پاس جدّہ گئے مگر اس کے دل کا چور دُور نہ ہؤا۔ کہنے لگا "عمیر! تمہارا کیا اعتبار۔ ہوسکتا ہے کہ یہ سب کچھ اپنی طرف سے ہی کہہ رہے ہو۔"

عمیر نے بہت سمجھایا کہ صفوان! تم نے حضور سرورِ کائناتؐ کی رحمت و شفقت کو دیکھا ہی نہیں ہے۔ آزماؤ تو سہی۔ مگر اُسے تو اپنی کرتوتیں ایک ایک کر کے یاد آرہی تھیں۔ نہ مانا اور عمیر کو معافی کے طور پر حضورؐ کی کوئی نشانی لانے کو کہا۔

اس پر رحمتِ دو عالمؐ نے اپنا عمامہ مبارک نشانی کے طور پر روانہ فرمایا اور عمیر، صفوان کو اپنے ہمراہ دربارِ رسالت میں لے آئے۔ صفوان، حضورؐ کی محبت و شفقت سے بے حد متاثر ہوئے اور اسلام قبول کرلیا[1]۔ سرکارِ دو جہاںؐ نے اس کی خطائیں ہی معاف نہیں فرمائیں بلکہ ہدیہ کے طور پر تین سو

۱۔ شبلی نعمانی۔ سیرت النبیؐ۔ جلد دوم۔ ص 363

اونٹ بھی مرحمت فرما دیئے۔

وحشی کی معافی:۔ وحشی نامی غلام نے غزوۂ اُحد میں حضورؐ کے پیارے چچا حضرت حمزہؓ کو شہید کیا تھا۔ مکہ فتح ہوا تو وحشی پریشان ہوگیا۔ کہ اب اس سے بدلہ لیا جائے گا۔ جان کے خوف سے بھاگ کر طائف چلا گیا۔

اسلام طائف میں پہنچا اور وہاں کے سرداروں نے اطاعت قبول کر لی، تو وحشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا، طائف کے لوگ دربارِ رسالتؐ میں حاضری کے لئے آئے تو ہمراہ چلا آیا۔ حضور سرورِ کونینؐ نے دیکھا تو پہچان لیا مشفق چچا کی شکل آنکھوں کے سامنے آگئی۔ خون نے جوش بھی مارا۔ لیکن وحشی کو کچھ نہ کہا اور معاف فرما دیا۔ سبحان اللہ! عفو و درگذر کا ایسا مظاہرہ کسی نے کہاں دیکھا ہوگا۔ چاہتے تو وحشی کی تکّا بوٹی کروا دیتے اور دینِ اسلام میں "قصاص" موجود بھی ہے۔ لیکن حضور سرورِ کونینؐ کی رحمت کا تقاضہ تو کچھ اور ہی تھا!

ہندہ کی معافی:۔ اور آگے چلیں، ابوسفیان کی بیوی ہندہ سامنے آتی ہے، یہ وہی خاتون ہے جس نے حضرت حمزہؓ کی نعش کی بے حرمتی کی تھی۔ سینہ چاک کر کے کلیجہ نکال لیا تھا اور پھر اسے دانتوں سے کاٹا۔ یہی نہیں اس نے احد کے اور شہیدوں کے ناک اور کان کاٹ کاٹ کر ہار بھی بنایا تھا، جسے بڑے فخر سے پہنا کرتی تھی۔

۱۔ بخاری

آخر ظلم کی رات بیت گئی، مکہ فتح ہوا تو اُسے بھی جان کے لالے پڑ گئے، کہ اب کیا ہوگا۔ کس مُنہ سے حضورؐ کے سامنے جاؤں گی۔ ایک ترکیب سُوجھی، کہ بھیس بدل کر دربارِ رسالت میں حاضر ہو، اور اسلام قبول کرلے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا۔ مگر حضورؐ کے سامنے پوشیدہ کیونکر رہ سکتی تھیں، آپؐ نے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا، مگر ماضی کی کسی بات کا حوالہ دیئے بغیر بخش دیا۔ اس حسن سلوک سے ہندہ بے حد متاثر ہوئیں۔ بے اختیار بول اٹھیں، یارسول اللہ! آج تک تو مجھے آپؐ کے گھرانے سے سخت ترین نفرت تھی۔ لیکن خدا کی قسم آج کے بعد آپؐ کے گھرانے سے مجھے سب سے زیادہ محبّت اور عقیدت ہوگئی ہے۔

آخر ہوتی بھی کیوں نہ۔ رحمت کے سیلاب میں بہہ جانے کے بعد نفرت کا کیا کام؟

ہبّار کی معافی:- اور آگے چلیں تو حضور سرورِ کائنات کی بیٹی کے قاتل سے سامنا ہوتا ہے۔ ہبّار بن اسود کفارِ مکّہ کا سرغنہ تھا۔ حضورؐ ہجرت کرکے مدینہ تشریف لے جاچکے تھے، مگر بیٹی جناب زینبؓ ابھی مکّہ ہی میں تھیں۔ ایک رات موقعہ دیکھ کر روانہ ہوئیں کہ چپکے سے نکل جائیں۔ اونٹ ابھی بستی سے نکلا ہی تھا کہ کفار کو خبر ہوگئی، راستہ روک لیا۔ اور تو سخت سست

۱۔ بخاری

ہی کہہ رہے تھے مگر ہبّار نے آگے بڑھ کر ٹانگ کھینچی ۔ حضرت زینبؓ اونٹ سے نیچے گر گئیں، سخت چوٹ آئی اور اسی تکلیف سے کچھ عرصہ بعد انتقال کر گئیں ۔ مکہ فتح ہوا تو ہبّار کی پریشانی دیکھنے کے لائق تھی، جان بچانے کے لئے مارا مارا پھر رہا تھا ۔ آخر کار ایران کی جانب روانہ ہوا، کہ بقیہ عمر وہاں بسر کر دیگا ۔ مگر ابھی تھوڑی دُور ہی گیا تھا کہ دل کی کیفیت بدل گئی سیدھا حضورؐ کے آستانے پر حاضر ہوا ۔ پچھلے گناہوں کی معافی مانگی اور دائرۂ اسلام میں داخل ہو گیا[۱]

دوستو! اولاد سبھی کو عزیز ہوتی ہے، اُسے کانٹا بھی چبھ جائے تو ماں باپ پریشان ہو جاتے ہیں ۔ بچوں کی چھوٹی موٹی لڑائی میں بڑے قتل ہو جاتے ہیں ۔ لیکن حضور رسالتمآبؐ کے دریائے رحمت کی جولانی ملاحظہ ہو کہ اپنی لختِ جگر کے قاتل کو کس قدر فراخ دلی سے بخش دیا ۔

فضیلہ کی معافی: فتح مکہ کے موقعہ کا ہی ایک اور واقعہ ہے کہ ایک شخص فضیلہ بن عمر نے حضورؐ پر حملہ کرنے کا سوچا ۔ بظاہر یہ شخص اسلام لے آیا تھا۔ لیکن اسلام کی روشنی سے دل ابھی پوری طرح منوّر نہیں ہوا تھا ۔ نبی اکرمؐ کچھ صحابہ کے ہمراہ طوافِ کعبہ فرما رہے تھے کہ فضیلہ بھی شامل ہو گیا ۔ تلوار کپڑوں کے نیچے چھپا رکھی تھی ۔ دل میں سوچا کہ محمد (صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) کو ختم

۱۔ شبلی نعمانی ۔ سیرۃ النبی ۔ جلد دوم ۔ ص 365

کرنے کا یہ اچھا موقع ہے۔ اُدھر اُس کے دل میں یہ خیال گذرا، اِدھر، اللہ تبارک
نے اپنے محبوبؐ کو بھی اطلاع کردی۔ چنانچہ طواف کرتے ہوئے وہ جنابِ رسالتمآبؐ
کے پاس سے گذرا، تو آپؐ نے دریافت فرمایا۔

"فضیلہ یہ تم ہو"؟

عرض کی یارسول اللہ! میں ہی ہوں،

فرمایا "کیا سوچ رہے ہو"؟

کہنے لگا "یارسول اللہ! کچھ بھی تو نہیں۔"

حضور رحمتِ دوعالمؐ مسکرائے، فضیلہ کے دھڑکتے ہوئے دل پر دستِ مبارک
رکھ کر فرمایا۔ فضیلہ! خدا سے معافی مانگو، آئندہ کبھی ایسا خیال دل میں نہ لانا۔
سبحان اللہ! سرزنش کا یہ انداز صرف اور صرف رسولِ رحمتؐ کا ہی ہو سکتا
ہے۔

کلیدِ کعبہ:۔ اعلانِ نبوّت کو ابھی تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا۔ کہ حضورؐ نے ایک
روز خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کا ارادہ کیا۔ حرم پاک میں تشریف لے گئے
تو دیکھا کہ کعبہ کے دروازے پر تالہ پڑا ہوا ہے۔ کلید بردار عثمان بن طلحہ
کو ڈھونڈا تو قریب ہی مل گیا۔ حضورؐ نے خواہش کا اظہار کیا اور کعبہ کا تالہ
کھولنے کی درخواست کی۔ عثمان بھی اسلام دشمنی میں دوسرے لوگوں سے کم نہ
تھا۔ چنانچہ نہایت سختی سے انکار کردیا۔

حضور رسالتمآبؐ بہت آزردہ ہوئے اور عثمان کو مخاطب کر کے فرمایا۔
عثمان! وہ دن دُور نہیں جب کعبہ کی کنجی ہمارے قبضہ میں ہوگی۔ اور ہم جسے چاہیں گے، دیں گے۔

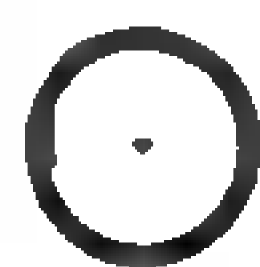
مکہ فتح ہوا تو محبوب خداؐ کی یہ پیشین گوئی بھی پوری ہو گئی۔ عثمان بن طلحہ اور خانہ کعبہ کے دوسرے خدمتگار جناب رسالتمآبؐ کے حضور پیش تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آگے بڑھ کر کعبہ کی کنجی اُٹھالی اور عرض کی۔

یا رسول اللہؐ! کعبہ کی کنجی ہمیں عطا کر دیں تاکہ حاجیوں کو پانی پلانے کے ساتھ ساتھ کعبہ کی حفاظت کا اعزاز بھی ہمیں حاصل ہو جائے۔
آپؐ نے فرمایا، نہیں یہ اعزاز پہلے کی طرح عثمانؓ بن طلحہ کے پاس ہی رہے گا۔
جناب رحمۃ للعالمینؐ کی شان عفو و رحمت کے قربان جائیں کہ عثمانؓ بن طلحہ کی گستاخی کی پرواہ کئے بغیر انہیں قیامت تک کے لئے کعبہ کا کلید بردار مقرر فرما دیا اور یہ خدمت آج بھی انہیں کی اولاد سرانجام دے رہی ہے۔ عفو و رحمت کا یہ انداز صرف حضور سرورِ کونین کے ہاں ہی نظر آسکتا ہے۔

الغرض حضور سرکارِ دوجہانؐ کا دریائے رحمت بے کنار ہے۔ ایک آدھ کتاب میں اُسے سمو لینا ناممکن ہے۔ بہرحال دشمنوں کے لئے آپؐ کے حسنِ سلوک کے اس واقعہ کے ساتھ ہی اس بحث کو ختم کیا جاتا ہے اور آئندہ ابواب میں حضور پُرنورؐ کی رحمت کے دوسرے پہلوؤں اور گوشوں

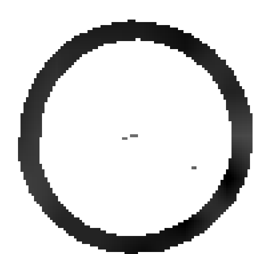
سے پردہ اٹھانے کی کوشش کی جائے گی۔

رسولِ رحمتؐ



خواتین

کے لئے



رسولِ رحمتؐ

خواتین کے لئے

حضرت رسولِ اکرمؐ کی بعثت سے پہلے دنیا بھر میں عورتوں کو نہایت حقیر خیال کیا جاتا تھا۔ ان کی حیثیت مال مویشی سے زیادہ نہ تھی۔ عورتوں کی باقاعدہ خرید وفروخت ہوتی تھی۔ بعض علاقوں اور قوموں میں تو انہیں جینے کا حق بھی نہیں دیا جاتا تھا۔ حضور نبی اکرمؐ نے معاشرہ میں عورت کے مقام کو بلند کیا۔ اُسے مرد کے برابر حقوق دیئے۔ بلکہ بعض معاملات میں تو وہ مرد سے بھی زیادہ عزت و احترام کی مستحق ٹھہری۔

اس باب میں خواتین کے بارے میں حضور سرورِ کائناتؐ کی رحمت و شفقت کا ذکر کیا جائے گا۔ کہ ذلت کی گہرائیوں میں گری ہوئی اس مخلوق کو کس طرح عزت و آبرو سے نوازا گیا۔

بعثت سے پہلے عورت کی حالت

ہندوستان: حضور رسالتمآبؐ کی بعثت کے وقت پوری دنیا کی طرح ہندوستان میں بھی جہالت کا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ عورت معاشرے کی سب سے گھٹیا مخلوق سمجھی جاتی تھی۔ ایک عورت کے کئی کئی شوہر ہوتے تھے۔

شوہر کی موت کی صورت میں بیوہ کو دوسری شادی کی اجازت نہیں تھی، بلکہ اُسے شوہر کی نعش کے ساتھ جل جانے پر مجبور کیا جاتا - اور اسے رسم ستی کہتے تھے۔ اگر کوئی عورت ستی ہونا پسند نہ کرتی تو اُسے بستی سے باہر الگ تھلگ اور بڑی تکلیف دہ زندگی بسر کرنا پڑتی تھی۔ عزیز رشتے دار اور برادری کے لوگ ایسی عورت سے کسی قسم کا تعلق رکھنا معیوب خیال کرتے تھے۔ لڑائی میں شکست ہونے کی صورت میں مرد اپنی عورتوں کو اپنے ہاتھوں قتل کر دیتے تھے، تاکہ وُہ دشمن کے قبضے میں جاکر ذلیل نہ ہوں)

راجے، مہاراجے اور امیر لوگ بے تحاشا شادیاں کرتے اور بعض اوقات تو ان کی بیویوں کی تعداد، سو، پچاس تک پہنچ جاتی تھی۔ پھر جب اور جسے چاہتے، گھر سے نکال باہر کرتے۔

ہندو سوسائٹی میں عورت بکاؤ مال تھی۔ اس کے باپ، بیٹے اور شوہر کو حق پہنچتا تھا کہ جب اور جس کے ہاتھ چاہیں بیچ دیں۔ بعض تہواروں کے موقعہ پر تو عورتوں کی منڈیاں لگتیں۔ اور باقاعدہ خرید و فروخت ہوتی تھی۔

اچھوت عورتوں کا حال اور بھی پتلا تھا۔ اعلیٰ ذات کے ہندو ان کے ساتھ جیسا سلوک چاہتے، کر سکتے تھے۔ اور ان کی کوئی داد فریاد نہیں تھی۔ وہ ان کے گھروں میں ادنیٰ خدمات سرانجام دیتیں۔ لیکن ہندوؤں کی مقدس کتاب "وید" کو چھونے کی اجازت نہ تھی، بلکہ اگر کبھی ان کے کانوں میں وید کا کوئی

لفظ پڑجاتا تو اس جرم کی پاداش میں کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈال کر انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بہرا کر دیا جاتا تھا۔

(اس کے علاوہ ہندوستان میں لڑکیوں کو قتل کرنے کا رواج بھی تھا۔ ہندو راجپوت تو اس رسم بد میں سب سے آگے تھے۔ ان کے ہاں تو شاید ہی کوئی لڑکی زندہ بچتی تھی۔ اس کا سبب ان کا حد سے بڑھا ہوا نسلی افتخار تھا، اور وہ اس بات میں بڑی ہتک محسوس کرتے تھے کہ ان کی بیٹی جوان ہو کر کسی کی بیوی بنے۔

پھر معصوم بچیوں کو کئی مذہبی رسومات کی بھینٹ بھی چڑھایا جاتا تھا۔ بتوں اور دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لئے لڑکیوں کی قربانی دی جاتی تھی۔ بعض نوجوان لڑکیوں کو "دیوی داسی" بنا دیا جاتا۔ وہ ساری عمر مندروں میں آنے جانے والوں کی خدمت کرتیں۔ اور شادی نہیں کر سکتی تھیں۔

غرض حضور سرور کونین ؐ کی بعثت کے وقت ہندوستان میں عورت کی حالت بے حد افسوسناک تھی)

روم:۔ (آفتابِ رسالت ؐ طلوع ہوا تو رومی تہذیب اپنے عروج پر تھی۔ اہل روم اپنے آپ کو بے حد متمدن اور مہذب خیال کرتے اور عربوں سمیت دوسری قوموں کو جاہل، گنوار اور اُجڈ کہتے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ رومیوں نے معاشرہ کی اصلاح کے لئے کئی مفید قانون بنائے اور شہریوں کو حقوق اور فرائض کا تصوّر دیا۔ لیکن جہاں تک عورت کا تعلّق ہے وہ بیچاری

اُن کے ہاں بھی ذلیل اور خوار رہی ۔ اُس کی بہتری اور بھلائی کے لئے کچھ نہ کیا گیا ۔ عورت سے متعلق دیگر جرائم کے علاوہ بچیوں کے قتل کا رواج موجود تھا ۔ رواج ہی نہیں بلکہ اس مکروہ فعل کی باقاعدہ حوصلہ افزائی کی جاتی تھی ۔ اور قانون کی نظر میں بھی اولاد کے قاتل باپ کو قصور وار اور مجرم خیال نہیں کیا جاتا تھا ۔)

یہود :(یہودی بھی حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی تعلیمات کو بھلا چکے تھے ۔ عورت کے بارے میں ان کی اخلاقی حالت بے حد پست تھی ۔ آجکل کی طرح اُس زمانے میں بھی اکثر یہودی کاروبار کرتے تھے ۔ بازار میں زیادہ تر دکانیں انہیں کی ہوتیں ۔ دکانوں کے تھڑوں پر بیٹھ کر راہ چلتی عورتوں پر آوازے کسنا ، اُن کا معمول تھا ۔ یہی نہیں اکیلی ، دوکیلی عورت دیکھتے تو دست درازی پر اتر آتے ۔ اور بیچاری کو عزت بچانا مشکل ہو جاتا)

یہودی سود کا کاروبار بھی کرتے تھے ۔ سود کی رقم تیزی سے بڑھتی اور بیچارا مقروض ادائیگی سے لاچار ہو جاتا ، تو معاوضے میں اس کی بیوی یا بیٹی کو پکڑ کر لے جاتے تھے ۔

اس قسم کا ایک واقعہ ہمیں احادیث کی کتب میں بھی ملتا ہے ۔ روایت ہے کہ مدینہ میں ایک یہودی رہتا تھا کعب بن اشرف ، سودی کاروبار کرتا تھا ۔ نہایت لالچی اور گھٹیا شخص تھا ، مغرور متمدن بہت ذلیل کرتا تھا ۔ رقم کی

ضمانت کے سلسلے میں عجیب و غریب شرائط پیش کرتا اور غریب لوگوں کی مجبوریوں کا ناجائز فائدہ اٹھاتا تھا۔

ایک روز ایک صحابی محمد بن مسلمہؓ انصاری، کعب کے پاس تشریف لے گئے۔ اور کچھ غلہ قرض پر لینا چاہا۔ یہودی بڑی خوشدلی سے بولا کہ غلہ ادھار دینے میں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں مگر یہ بتاؤ کہ قرض کے بدلے میں کیا چیز گروی رکھو گے۔ مسلمہؓ نے کہا کہ جو وہ مناسب سمجھے، رکھ لے۔ یہودی بولا تو پھر اپنی بیوی گروی رکھ جاؤ۔ صحابیِ رسولؐ کے لئے یہ تجویز بے حد حیران کن تھی۔ کہنے لگے خیر یہ تو قابلِ قبول نہیں۔ البتہ رقم کی ادائیگی تک اپنے ہتھیار رکھنے کے لئے تیار ہوں[۱]۔

عرب:۔ اعرابوں میں بھی عورتوں کی حالت نہایت خراب تھی۔ انہیں مردوں کی ملکیت سمجھا جاتا تھا۔ باپ کی وفات پر اس کی بیوی پر بیٹے کا حق اور قبضہ ہوتا، اور حقیقی ماں کے علاوہ باقی سبھی اس کی جائز بیویاں سمجھی جاتی تھیں۔ نکاح کے سلسلے میں کسی قسم کی کوئی پابندی نہ تھی۔ عرب سردار تو ایک وقت میں آٹھ آٹھ اور دس دس بیویاں رکھتے تھے۔ جب اور جسے جی چاہتا گھر سے نکال باہر کرتے۔ علیحدگی کے باوجود عورت سابقہ شوہر کے کنٹرول میں رہتی اور اس کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے آدمی سے

۱۔ بخاری۔

شادی نہیں کر سکتی تھی، نکاح کے وقت مہر تو مقرر کرتے، لیکن اس رقم کا دلہن سے کوئی تعلق نہیں ہوتا تھا بلکہ یہ اس کے باپ کو ملتی۔ گویا کہ مہر کے عوض عورت فروخت کر دی جاتی تھی، بیوہ ہونے کی صورت میں اُسے گھر سے الگ تھلگ کسی کوٹھڑی میں ڈال دیا جاتا۔ پہننے کو پھٹے پرانے کپڑے اور کھانے کے لئے دوسروں کا بچا کھچا ملتا۔ گھر والے ایک سال تک اس کا مکمل بائیکاٹ کئے رکھتے۔ سال بعد سوگ تو ختم ہو جاتا تھا۔ لیکن بیچاری عمر بھر اچھا کھانے، پہننے کو ترستی رہتی اور دوسری شادی کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ غرض زندگی کے باقی دن یونہی سسک سسک کر گذار دیتی۔

عورت وراثت سے بھی محروم تھی۔ پوری جائیداد پر مرد قبضہ کر لیتے تھے۔ عام طور پر کہا جاتا تھا کہ وراثت صرف اس کا حق ہے، جو تلوار پکڑ سکے۔ اس کلیے کے تحت عورتوں کے ساتھ ساتھ چھوٹے بچوں کو بھی وراثت سے کچھ نہیں ملتا تھا)

لڑائیوں میں مفتوحہ قبائل کی عورتیں فاتح کے قبضے میں آجاتی تھیں، جو انہیں نکاح کئے بغیر گھروں میں ڈال لیتے اور ہر قسم کی خدمات لیتے تھے صلح ہونے کی صورت میں عورتیں اگر واپس کر بھی دی جاتیں، مگر ان کی عزت اور آبرو برباد ہو چکی ہوتی تھی،

عورت کے ساتھ اس قسم کے مظالم پر عرب فخر کرتے۔ اپنی زیادتیوں اور بے حیائیوں کے قصے سرِعام سناتے پھرتے۔ اور شاعر قسم کے لوگ تو باقاعدہ نظمیں بنا لیتے اور کھلی مجلسوں اور میلوں ٹھیلوں میں مزے لے لے کر پڑھتے تھے۔

معمولی معمولی غلطیوں پر عورتوں کو نہایت بے رحمی سے پیٹا جاتا۔ ان کے جسم کے اجزاء کاٹ لئے جاتے۔ سزا کے طور پر چوٹی مونڈنے کا رواج بھی تھا۔ عرب امراء اور سرداروں کے سزا دینے کے طریقے تو لرزا دینے والے ہوتے، اور اُن کے تصوّر سے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ عورت کی جان لینے کے نئے نئے طریقے وضع کرتے۔ بعض دفعہ اُسے گھوڑے کے دُم سے باندھ کر گھوڑے کو سرپٹ دوڑا دیتے اور یوں بیچاری کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔ ایسی سزاؤں کا باقاعدہ جشن منایا جاتا۔ اور قبیلے میں تہوار کا سماں ہوتا تھا۔

دختر کُشی:- دُنیا کی بعض دوسری اقوام کی طرح عربوں میں بھی دختر کُشی کا رواج تھا۔ یعنی اپنی بیٹیوں کو بچپن میں ہی قتل کر دیتے تھے۔ بے رحمی کی انتہا ملاحظہ ہو کہ یہ کام اپنی مرضی سے اور ہنسی خوشی انجام دیتے تھے۔ مَردوں کے علاوہ عورتیں بھی اس جُرم میں برابر کی شریک تھیں۔ اور بیٹیوں کو اپنے ہاتھوں قتل گاہ کی طرف روانہ کرتی تھیں۔ اس رسمِ بد کی

وجوہات پر غور کریں تو تین باتیں سامنے آتی ہیں۔

○ — پہلی بات تو یہ کہ بھوک کے ڈر سے بچیوں کو ہلاک کر دیا جاتا تھا کہ ان کو کھلائیں پلائیں گے کہاں سے۔ مفت کی ذمہ داری ہے۔ اور پھر جوان ہو کر یہ ہمارے کس کام آئیں گی۔ جبکہ بیٹے بڑے ہو کر ہمارا سہارا بنیں گے

○ — دوسری بات یہ کہ عرب بتوں کو پوجتے تھے اور ان کی ناراضگی سے بچنے کے لئے بچوں کی قربانی دیا کرتے تھے۔ پھر منتیں ماننے کا رواج بھی تھا کہ اگر میرا فلاں کام پورا ہو گیا تو اپنے بچے کی قربانی دوں گا۔ یہاں بھی بیچاری لڑکیاں ہی قربانی کا بکرا بنتیں۔

○ — تیسری بات یہ کہ نسلی افتخار کے سبب عرب اپنی بیٹیوں کو دوسروں کے نکاح میں دینا، توہین خیال کرتے تھے۔ اور انہیں یہ سخت ناگوار تھا کہ کوئی شخص ان کا داماد کہلائے۔ اس عار سے بچنے کے لئے بیٹیوں کو پیدا ہوتے ہی ٹھکانے لگا دیتے تھے۔ گھر میں بیٹی پیدا ہوتی تو باپ کو سخت صدمہ ہوتا اور مارے شرم کے گھر سے باہر نہیں نکلتا تھا کہ لوگ بیٹی کا باپ ہونے کا طعنہ دیں گے۔ چنانچہ اس معصوم جان کو ٹھکانے لگانے کے بعد دوست احباب سے ملتا تو بڑے فخر سے اس ظلم کی تفصیلات بیان کرتا۔

بعض لوگوں کو تو اس قدر ڈپریشن[1] ہوتی کہ گھر چھوڑ کر چلے جاتے۔ عرب کے

1. DEPRESSION

ایک رئیس ابوحمزہ کا قصّہ ہے کہ بیٹی کی پیدائش کی خبر سنتے ہی گھر سے چلا گیا۔ اور ہمسایوں کے ہاں ڈیرہ لگا لیا۔ بیمار بیوی اور بچوں کو دیکھ بھال کی سخت ضرورت ہونے کے باوجود اس نے گھر کا رُخ نہ کیا،

بیوی شاعری سے دلچسپی رکھتی تھی۔ بچّی روتی تھی تو عربی کے یہ شعر پڑھ کر لوریاں دیتی۔

ترجمہ:۔ ابوحمزہ کو کیا ہوگیا ہے کہ گھر نہیں آتا اور ہمسائے کے ہاں رات بسر کرتا ہے۔ وُہ اس لئے ناراض ہے کہ ہم بیٹے نہیں جنتے۔ خُدا کی قسم یہ ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔

یوں تو سارے عرب میں دخترکشی کا رواج تھا۔ لیکن قبیلہ بنو تمیم اس ظلم میں سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد اس قبیلہ کا ایک سردار قیس بن عاصم حضور رسالتمآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوُا۔ زمانہ جاہلیّت کی بُری رسموں کا ذکر چلا تو کہنے لگا۔ یارسول اللہؐ! میں نے بہت ظلم کئے، اپنے ہاتھوں آٹھ، دس لڑکیوں کو زندہ دفن کر چکا ہوں۔ سخت نادم ہوں۔ مجھے بتائیے کہ کیا کروں کہ بخشش کا سامان ہو جائے۔ آپ نے فرمایا ہر لڑکی کے کفارے میں ایک غلام آزاد کرو۔ عرض کی یا رسول اللہؐ! میرے پاس اتنے غلام نہیں ہیں۔ البتہ اونٹ ہیں۔ حضور سرورِ کونینؐ نے فرمایا تو پھر ہر لڑکی کے کفارہ میں ایک اونٹ قربان کرو۔[۱]

۱۔ بحوالہ، سیرۃ النبیؐ از سید سلیمان ندوی۔ جلد ششم صفحہ 210۔

طلوعِ آفتابِ رسالتؐ

(آفتابِ رسالتؐ طلوع ہوا تو عورت جیسی مظلوم اور بے یار و مددگار مخلوق کی بھی سُنی گئی۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ مقام و مرتبہ ملا کہ مرد کی برابری کرنے لگی بلکہ بعض معاملات میں تو مرد سے بھی زیادہ حقوق و مراعات کی مستحق ٹھہری،

دختر کُشی کا خاتمہ:۔(خالق و مالک نے اس ظالمانہ رسم کا خصوصی نوٹس لیا اور اس سلسلے میں کئی آیات نازل ہوئیں۔ کہیں عربوں کی غیرت اور حمیّت کو جھنجھوڑا تو کہیں رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ نے اپنی رزّاقی کا ذکر کرکے افلاس سے ڈرنے والوں کا خاکہ اُڑایا۔)

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے (گھر میں بیٹی پیدا ہوتی تو باپ کو سخت رنج ہوتا وُہ شرم کے مارے لوگوں کے سامنے نہیں جاتا تھا۔ مُنہ چھپاتا پھرتا کہ لوگ کیا کہیں گے۔ عربوں کا ایک اور بھی عجیب عقیدہ تھا کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں سورۂ زخرف میں اسی عقیدے کی طرف اشارہ ہے کہ تمہارے ہاں بیٹی پیدا ہو تو تمہیں شرم آتی ہے اور چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے۔ اور جب خدا بیٹیوں کا باپ ہونے کی تہمت لگاتے ہو، تو کچھ خیال نہیں آتا۔

سورۂ نحل میں ارشاد ہوا۔

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِيْمٌ ۔ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ الخ

ترجمہ: اور جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی خوش خبری دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے۔ وُہ غصّہ کے گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے اور پریشانی کے عالم میں لوگوں سے مُنہ چھپاتا پھرتا ہے (اور سوچتا ہے) کہ اس ذلّت کو اپنے پاس ہی رہنے دے یا لے جاکر مٹی میں چھپادے (یعنی زندہ دفن کردے) نحل 7

بتوں اور دیوتاؤں کے نام پر اولاد کی قربانی کی مذمت کرتے ہوئے خدائے بزرگ و برتر نے سورۃ انعام میں ارشاد فرمایا:

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ ۔ الخ

ترجمہ: کہ جس طرح اپنے کھیتوں اور جانوروں میں مشرکوں نے دیوتاؤں کو حصّے دار بنالیا ہے اس طرح وُہ ان (دیوتاؤں) کو خوش کرنے کے لئے اپنی اولاد کو بھی قتل کر دیتے ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ ان کا یہ فعل بے فائدہ ہے اور اس گناہ کے مرتکب ہوکر وہ اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں۔ گویا کہ قرآن حکیم نے دیوی، دیوتاؤں اور بتوں کو خوش کرنے کے لئے اولاد کے قتل کی کُھلی ممانعت کر دی۔

غربت اور افلاس کے خوف سے اولاد کو قتل کرنے والوں کے بارے میں سورۂ ہود میں ارشاد ہوا۔

وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا

ترجمہ :۔ زمین پر موجود تمام جانداروں کی روزی اللہ کے ذمے ہے۔ (ہود۔ ۱۱)

سورۂ انعام میں فرمایا کہ مفلسی کے ڈر سے اپنے بچوں کو ہلاک نہ کرو کیونکہ انہیں ہی نہیں بلکہ تمہیں بھی (والدین کو) روزی اللہ ہی کی ذات دیتی ہے۔

آگے چلیں سورۂ اسراء میں ارشاد ہوتا ہے

وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَکُمْ خَشْیَۃَ اِمْلَاقٍ ، نَحْنُ نَرْزُقُھُمْ وَاِیَّاکُمْ اِنَّ قَتْلَھُمْ کَانَ خِطْاً کَبِیْرًا ۔ (ص ۵۶)

ترجمہ :۔ اپنی اولاد کو غربی اور مفلسی کے خوف سے قتل نہ کیا کرو۔ ہم ہی ہیں جو انہیں اور تم ، دونوں کو روزی دیتے ہیں۔ ان کا مار ڈالنا بلاشبہ بہت بڑا گناہ ہے۔ (اسرائیل۔ ۱۷)

آخری کیل :۔ اولاد اور بالخصوص لڑکیوں کے بارے میں یکے بعد دیگرے اس قسم کی آیات کے نزول سے اہلِ عرب لرز اُٹھے۔ لڑکیوں کو قتل کرنے کے واقعات میں بے حد کمی آگئی۔ لیکن اس جرم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے میں قرآنِ حکیم کی ایک چھوٹی سی آیت کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ ذرا بلاغت اور اثر انگیزی ملاحظہ ہو۔

میدانِ حشر میں ذاتِ حق کی عدالت قائم ہے ۔ ہاتھوں میں اعمال نامے تھامے سبھی اپنی اپنی جگہ پہ کھڑے ہیں ۔ ہر کسی کے ساتھ انصاف ہو رہا ہے ۔ ہجوم پر عجیب خوف اور امید کی کیفیت طاری ہے ۔ اتنے میں چند ننھی سی پیاری پیاری بچیاں ایک طرف آکر کھڑی ہو جاتی ہیں ۔ ان کے کپڑے خون آلودہ ہیں اور قطرے زمین پر گر رہے ہیں ۔ خدائے قہار کی نظر اُن پر پڑتی ہے ، تو پوچھتا ہے ۔

وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ

ترجمہ :۔ یاد رکھو جب (قیامت کے روز) زندہ دفن ہونے والی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ تو کس جرم میں ماری گئی ۔ (کوّرت - ۹)

اس آیت کا اترنا تھا کہ اہلِ عرب نے اس سفاکی سے مکمل طور پر توبہ کر لی ۔ وہ قرآن حکیم کی اس قدر اثر انگیز بلاغت کی تاب نہ لا سکے ۔

استثنائی مثالیں :۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اچھے اور بُرے لوگ ہر زمانے میں اور ہر جگہ موجود ہوتے ہیں ۔ دُختر کُشی کے عروج کے زمانے میں بھی عرب میں اللہ کے ایسے نیک بندے موجود تھے جو قتل پر آمادہ والدین سے لڑکیاں خرید لیتے اور اُن کی پرورش کرنے کے بعد باعزت طریقے سے شادی وغیرہ کر دیتے تھے ۔

صعصعہ نامی ایک عرب سردار نے اس کارِ خیر میں بہت نام پیدا کیا ، کہا جاتا ہے کہ اس نے 360 لڑکیوں کو یوں خرید کر موت کے مُنہ سے

بچایا تھا۔ قبولِ اسلام کے بعد ایک روز حضور سرورِ کائنات[۲] کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا کہ کیا اُسے اس نیکی کا کوئی ثواب ملے گا۔

حضورؐ نے تبسم فرمایا اور کہا یقیناً؛ اور یہ کیا کم ہے کہ خدا نے تمہیں قبولِ اسلام کی سعادت بخشی۔

اسی طرح صحابیِ رسول زید بن عمرو نے بھی زمانہ جاہلیت میں بہت سی لڑکیوں کی جانیں بچائی تھیں۔ آپ انہیں ان کے والدین سے لے کر پال لیتے اور جوان ہونے پر واپس کر دیتے یا شادی کر دیتے تھے۔

ایک دردناک داستان:۔ قبولِ اسلام کے بعد لوگ حضورؐ کے پاس آتے تو دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے زمانۂ کفر کے قصّے سُناتے۔ ایسا ہی ایک شخص آپؐ کی خدمت میں حاضر ہؤا۔ عرض کی یا رسول اللہ! زمانۂ جاہلیت میں ہم اپنی لڑکیوں کو مار ڈالتے تھے۔ میری ایک بیٹی تھی۔ بے حد بھولی بھالی اور پیاری مجھ سے بہت مانوس تھی، میں آواز دیتا تو بھاگی چلی آتی تھی۔ ایک روز جو مجھ پر شیطان سوار ہؤا تو سوچا کہ وقت ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے۔ آج چھوٹی ہے۔ کل کو بڑی ہو گئی تو ٹھکانے لگانا مشکل ہو جائے گا۔ چنانچہ قتل کے ارادے سے ہمراہ لے کر چلا۔ وہ ہر قسم کے خوف و خطر سے بے نیاز ہرنی کی طرح کلیلیں کرتی ہوئی آگے آگے بھاگی جا رہی تھی۔ گھر سے تھوڑی دُور ایک پرانا کنواں تھا۔ کنارے

۱۔ بحوالہ سیرۃ النبیؐ از سید سلیمان ندوی جلد ششم۔ ص۔ 212۔

پر پہنچی تو رُک گئی ۔ میں نے موقع غنیمت جانا اور پیچھے سے دھکا دے دیا۔ کنوئیں سے ایک دلدوز چیخ ابھری اور ساتھ ہی اَبّا! اَبّا! کی آوازیں آنے لگیں۔ تھوڑی دیر میں آوازیں ختم گئیں اور میں بہ اطمینان واپس گھر آگیا۔

رحمت للعالمینؐ نے یہ دردناک کہانی سنی تو سخت آزردہ ہوئے۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

ایک صحابی پاس بیٹھے تھے۔ اس شخص کو مخاطب کرتے کہنے لگے۔ تمہیں ایسا پُردرد قصّہ نہیں سنانا چاہیئے تھا۔ اس سے تو حضورؐ پریشان ہو گئے ہیں۔ اس پر سرورِ کونینؐ نے فرمایا۔ کوئی بات نہیں۔ اسے کہنے دو۔ جو مصیبت اس پر پڑی ہے وہ بےچارہ اس کا علاج پوچھنے آیا ہے۔ پھر اس شخص کی طرف رُخ مبارک کیا اور فرمایا۔ ہاں، میاں! ایک بار پھر کہو۔ اس نے دوبارہ وہی قصّہ حرف بحرف بیان کر دیا۔ یہ واقعہ بار بار سننے سے حضورؐ پر رقّت طاری ہوگئی۔ سر زانوؤں پر رکھ لیا اور روتے روتے ریش مبارک تر ہو گئی۔

کچھ دیر بعد سر اوپر اٹھایا اور فرمایا، ماضی کو بھول جاؤ، اسلام لانے پر زمانۂ جاہلیت کے سارے گناہ معاف ہو گئے۔ جاؤ! اب نئے سرے سے زندگی شروع کرو۔

<u>زحمت نہیں رحمت:</u> اسلام سے پہلے لڑکیوں کو مصیبت اور پریشانی کا سبب خیال کیا جاتا تھا یہ رسولِ رحمتؐ کا معجزہ تھا کہ اس مصیبت اور

پریشانی کو سراسر رحمت میں بدل دیا۔ لڑکیوں سے حسنِ سلوک کو بخشش کا ذریعہ قرار دیا۔ اور ہر طرح سے ان کی بہتری اور بھلائی کی ترغیب دلائی گئی۔

حدیث قدسی ہے کہ جو کوئی لڑکیوں کی آزمائش میں مبتلا کیا گیا اور اس نے اُن کے ساتھ محبت اور شفقت کا برتاؤ کیا، تو وہ اُسے دوزخ کے عذاب سے اس طرح بچالیں گی کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان پردہ بن کر حائل ہو جائیں گی[1]

ایک اور موقعہ پر فرمایا۔

جو شخص دو لڑکیوں کی پرورش کریگا۔ یہاں تک کہ جوان ہو جائیں تو قیامت کے دن میں اور وُہ یوں قریب ہوں گے جیسے یہ میری دو انگلیاں[2]۔ (وضاحت کے لئے ہاتھ کی انگلیاں اوپر اُٹھا کر دکھائیں)

اور یہ حضور سرورِ کونینؐ کی نظرِ کرم اور تربیت کا نتیجہ تھا کہ وہی عرب، جو لڑکیوں کو قتل کیا کرتے تھے، ان کی عزت و ناموس کے سب سے بڑے علمبردار بن گئے، لڑکیوں کو بوجھ سمجھنے والی یہ قوم، ان کے لئے سراپا رحمت بن گئی۔ کہاں وُہ دن کہ لڑکیوں کے سائے سے بھاگتے تھے اور کہاں اب یہ حال کہ ایک یتیم بچی کو گود لینے کے لئے بڑھ چڑھ کر پیشکشیں ہو رہی ہیں۔

ایک بچی، تین کفیل:۔ قصہ کچھ یُوں ہے کہ حضرت حمزہؓ حضورؐ کے چچا تھے۔ غزوۂ احد میں شہادت پائی۔ ان کی ایک بیٹی تھی۔ امامہ نام تھا۔ تنہا

1۔ بخاری۔ 2 مسلم۔

رہ گئیں تو کفالت کا مسئلہ پیدا ہوا۔ جناب رسالتمآبؐ کی خدمت میں پیش کی گئیں تو دیگر صحابہ کے علاوہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ، حضرت جعفر طیارؓ اور حضرت زیدؓ بھی موجود تھے۔ بچی کی نظر حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ پر پڑی تو چچا چچا کہتے ہوئے انکی جانب لپکی۔ جناب علیؓ نے یتیم بچی کو نہایت شفقت سے گود میں اٹھا لیا، پیار کیا اور اپنی زوجہ محترمہ حضرت فاطمہؓ کے یہ کہہ کر حوالے کیا کہ لو، تمہارے چچا کی بیٹی ہے۔ حضرت علیؓ کے بھائی حضرت جعفر طیارؓ کو پتہ چلا تو بھاگے آئے اور کہا کہ بچی مجھے ملنا چاہیئے کیونکہ ایک تو یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور دوسرے اس کی خالہ میرے گھر میں ہے۔ حضرت زیدؓ بھی موجود تھے عرض کی یا رسول اللہ! گو بچّی سے میرا خونی رشتہ نہیں۔ لیکن اس پر میرا حق بھی بنتا ہے۔ کیونکہ اس کے باپ میرے مسلمان بھائی تھے۔

ذرا غور فرمائیں۔ ایک بچّی کی کفالت کے لئے تین طرف سے اصرار ہے۔ ایک کو بھائی ہونے کا دعویٰ ہے تو دوسرا بھائی کے علاوہ خالو بھی ہے۔ تیسرا کچھ بھی نہیں لگتا۔ لیکن مذہب کے رشتے کو سب سے بڑا رشتہ قرار دیتا ہے۔

یہ منظر دیکھ کر رسولِ خُدا کی آنکھوں میں چمک آ گئی۔ فرمایا دعوے سب کے برحق ہیں۔ لیکن بچی جعفر طیارؓ کو ملے گی۔ کیونکہ ان کی بیوی اسماء کی خالہ ہے اور خالہ ماں کے برابر ہوتی ہے[1]!

۱۔ بخاری

عورت کے دیگر روپ

(رسول پاکؐ نے ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کی حیثیت سے معاشرے میں عورت کا مقام متعین کیا۔ آپؐ نے عورت کو گھر کی زینت جانا اور گھر کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے ہی اس کے تمام معاشی اور معاشرتی مسائل کو حل کر دیا)

بطورِ بیوی: خاندان کے نظام کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کے لئے نکاح کا مسنون طریقہ رائج کیا۔ نکاح کی محض ترغیب ہی نہیں دلائی بلکہ حکم دیا ہے[1]۔

حدیث مبارک میں آیا ہے:۔

ترجمہ:۔ نکاح میری سنّت ہے تو جس نے میری سُنّت سے منہ پھیرا وہ مجھ سے نہیں!

نان ونفقہ: دینِ اسلام نے شوہر اور بیوی کے حقوق اور فرائض برابر رکھے ہیں۔ بلکہ شوہر کو بیوی کے خرچے کا پابند بنا کر، اس کے فرائض میں قدرے اضافہ کر دیا ہے۔ نان ونفقہ یعنی بیوی اور بچوں کے خرچے کی تمام تر ذمہ داری مکمل طور پر شوہر پر ہے۔ جسے وہ کسی صورت میں بھی

۱۔ بخاری۔

ک نہیں کرسکتا۔ یہاں تک کہ اگر میاں بیوی میں علیٰحدگی ہوجائے اور کوئی بچّہ
بھی شیر خوار ہو، تو اس دُودھ پیتے بچے کی ذمہ داری بھی باپ پر آتی ہے۔ اور
ماں علیٰحدگی کے باوجود اسے دودھ پلانے پر رضامند ہو جائے، تو باپ پر لازم
ہے کہ اس خدمت کا باقاعدہ معاوضہ ادا کرے [1]

چوری اسلام میں حرام ہے۔ اور اس کی سزا یہ ہے کہ چور کے ہاتھ کاٹ
دیئے جائیں۔ لیکن عورت کے لئے معاشی تحفّظ کو یقینی بنانے کے لئے اسے
بھی جائز قرار دے دیا۔ وُہ یوُں کہ اگر کوئی شخص کنجوس ہو، بیوی بچوں کو
اپنی حیثیت اور گھر کی جائز ضرورت سے کم خرچہ دے، تو بیوی کو حق پہنچتا ہے
اس کی اجازت کے بغیر اس کے پیسوں میں سے ضرورت کے مطابق خرچ کرلے
ایسا ہی ایک معاملہ حضور سرورِ کائناتؐ کے سامنے پیش ہوُا۔ فتح مکّہ کے بعد
ابوسفیان کی بیوی ہندہ ایک روز دربارِ رسالتؐ میں حاضر ہوئی۔ عرض کی،
یا رسول اللہؐ: میرا شوہر بے حد کنجوس ہے۔ اپنی دولت سینت سینت کر رکھتا
ہے۔ اور مجھے اتنا بھی نہیں دیتا کہ اپنی اور بچوّں کی ضروریات پوری کرسکوں۔
تو کیا میں اس کے مال سے انہیں بتائے بغیر کچھ لے سکتی ہوں۔ حضورؐ نے
فرمایا بے شک: تم اس قدر لے سکتی ہو جو تمہارے اور تمہارے بچوں کے لئے
کافی ہو۔

---

۱. بخاری

تفرقہ نہ ڈالو: (بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ میاں بیوی کے درمیان تفرقہ ڈال دیتے ہیں۔ انہیں آپس میں لڑا کر گھر کا سکون برباد کردیتے ہیں۔ قرآن حکیم میں اس برائی کی سخت مذمت کی گئی ہے۔ سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ شوہر اور بیوی کے درمیان تفرقہ ڈالنے والوں کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔)

حسن سلوک: بیوی کے ساتھ حسن سلوک کو مردوں کی بہتری کا معیار مقرر کیا۔ حدیثِ قدسی ہے:

ترجمہ:۔ تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیوی کے لئے بہتر ہے[1]۔

نیک عورت کا مقام ملاحظہ ہو، فرمایا:۔

ترجمہ:۔ تقویٰ کے بعد نیک عورت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں[2]۔

بیویوں کی طرف توجہ نہ کرنیوالوں کو سرزنش فرمائی۔

ایک صحابی تھے۔ نہایت نیک اور عبادت گذار۔ یادِ الٰہی میں اس قدر غرق رہتے کہ بیوی کی طرف توجہ نہیں کرتے تھے۔ حضور نبی کریمؐ کو پتہ چلا تو بُلا بھیجا اور فرمایا۔

ترجمہ:۔ تیری بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے[3]۔

یعنی ہر وقت عبادت میں ہی مصروف نہ رہا کرو۔ بیوی بچوں کا بھی

1۔ ترمذی 2۔ ابن ماجہ۔ 3 بخاری۔

خیال رکھا کرو، یہ بھی عبادت سے کم نہیں۔

عورت کی فطری ضد اور ہٹ دھرمی بھی حضور سرورِ کونینؐ کی نظروں سے پوشیدہ نہیں تھی۔ مردوں کو اس سلسلہ میں بھی نرمی اور تحمل سے کام لینے کی تلقین کی۔ اور اسے ایک نہایت عمدہ تشبیہ سے واضح کیا۔

فرمایا:

ترجمہ: عورتوں کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرو۔ اور یاد رکھو کہ اُن کی پیدائش پسلی سے ہوئی ہے[1] (اس لئے پسلی کی طرح ٹیڑھی ہیں) ان کے ٹیڑھے پن سے کام لے سکتے ہو تو لو۔ انہیں سیدھا کرنے کی کوشش نہ کرنا مبادا وہ ٹوٹ جائیں۔[2]

ملاحظہ ہو، عورتوں کی چھوٹی موٹی غلطیوں کو نظر انداز کرنے کی تلقین کس خوب صورتی سے کی گئی ہے۔

حجۃ الوداع کے خطبہ میں بھی سرکارِ دو جہاںؐ کو عورت کے حقوق کا مکمل احساس رہا، یہ آپؐ کا آخری وعظ تھا اور آخری تلقین، اس لحاظ سے وصیت بھی کہہ سکتے ہیں۔

صحیح مسلم کے الفاظ ہیں:۔

ترجمہ:۔ عورتوں کے بارے میں خدا سے ڈرو، کہ وہ تمہارے بس میں ہیں۔

1۔ روایت ہے کہ حضرت آدمؑ کی تخلیق ہوئی تو تنہا تھے۔ کوئی مونس و غمخوار نہ تھا۔ اداس رہنے لگے اور ساتھی کی خواہش کی تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت حوّا کو ان کی پسلی سے تخلیق فرمایا۔

2۔ بخاری۔

اس ایک جملے میں کس قدر بلاغت ہے۔ اور معانی کے سمندر پوشیدہ ہیں جو چیز کسی کے بس، کنٹرول یا قبضے میں ہو، اس کی تمام تر ذمہ داری بھی تو اُسی پر آجاتی ہے۔

اسلام دینِ فطرت ہے۔ زندگی کے ہر مسئلے کا حل اس میں موجود ہے طلاق کو جائز قرار دیا لیکن نہایت مجبوری کی حالت میں۔ بیویوں سے ان بن کی صورت میں صلح کی راہ نکالنے کی ہدایت کی۔

انسان فطری طور پر تنوّع پسند ہے، بہتر سے بہتر کی تلاش میں رہتا ہے۔ بعض اوقات یہی فارمولا بیوی کے بارے میں استعمال کرتا ہے تو قرآن سیدھی راہ سمجھا دیتا ہے۔

سورۂ نساء میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ

فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْـًٔا وَّیَجْعَلَ اللّٰهُ فِیْهِ خَیْرًا

كَثِیْرًا

ترجمہ:۔ اور بیویوں کے ساتھ معقول طریقے سے نباہ کرو۔ اگر وہ تمہیں نہ بھائیں۔ تو ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں ناپسند ہو اور اللہ نے اس میں بیشمار خوبیاں اور بھلائیاں رکھی ہوں۔ (النساء 23)

اور پھر چار تک بیویاں رکھنے کی اجازت تو دی۔ مگر اس احتیاط کے

ساتھ کہ کسی بھی بیوی کی حق تلفی نہ ہو۔

بطور ماں: بیوی اور بیٹی کے علاوہ بھی عورت کا ایک رُوپ ہے۔ اور وُہ ہے ماں کا۔ ماں کے رشتے کو زمانہ جاہلیت میں بھی مقدس سمجھا جاتا تھا، لیکن اسلام نے عورت کے اس روپ کے تقدس کو انتہا تک پہنچا دیا۔ جنت کو ماں کے قدموں کے نیچے کہہ کر اس ہستی کے مقام و مرتبہ کو کس قدر بلند کر دیا گیا ہے۔

ماں کی خدمت کو جہاد پر فضیلت دی۔ اور اس کے ساتھ نیکی کو کئی گناہوں کا کفارہ قرار دیا۔

حقیقی ماں ہی نہیں حضور سرورِ کائناتؐ نے تو رضاعی ماں کو بھی سگی ماں جیسا مقام و مرتبہ دیا۔ رضاعی بہنوں اور ماؤں کو بھی سگی ماؤں اور بہنوں جیسے حقوق عطا کئے۔

بطور بیوہ: عورتوں کا ایک مظلوم طبقہ بیوگان کا ہے۔ سر سے شوہر کا سایہ اُٹھ جائے تو غم واندوہ کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں۔ کل کی ملکہ آج کی بھکارن بن جاتی ہے، اپنے، پرائے سبھی آنکھیں پھیر لیتے ہیں۔ کہیں اس پر رزق کے دروازے بند کئے جاتے ہیں، تو کہیں اسے جذبات واحساسات سے عاری مخلوق سمجھ لیا جاتا ہے، اور یوں وہ بیچاری معاشرے سے کٹ کر اپنی ذات کے حصار میں قید ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس کی ہر حرکت مشکوک

اور ہر فعل قابلِ ملامت قرار پاتا ہے۔ ایسے میں اگر بچوں کا ساتھ ہو تو بیچاری کی مشکلات اور بڑھ جاتی ہیں۔ اپنے یا بچوں کے مسائل کے بارے میں کسی سے مشورہ بھی کر لے تو ہر طرف سے انگلیاں اُٹھنے لگتی ہیں۔ جس کے مُنہ میں جو آئے، کہہ دیتا ہے۔

حضور سرورِ کونینؐ نے عورتوں کے اس بے بس اور مظلوم طبقہ کی بھی دستگیری کی۔

حدیث مبارک ہے:۔

ترجمہ:۔ بیوہ اور غریب کے لئے دوڑ دھوپ کرنے والے کا مقام خُدا کی راہ میں جہاد کرنے والے کے برابر ہے۔ اور وُہ اس شخص سے بھی کسی طور کم نہیں جو دن میں روزہ رکھتا ہے اور رات بھر نماز پڑھتا ہے۔[1]

سبحان اللہ! بیوہ کی خدمت کو جہاد، روزہ داری اور شب بیداری کے برابر قرار دیا۔ یہی نہیں۔ اسلام نے بیوہ کو شوہر کے ترکے سے حصّہ دلایا۔ سوگ کے دن مقرّر کر دیئے۔ یعنی صرف چار مہینے اور دس دن۔ جنہیں عدّت کہا جاتا ہے۔ بیوہ کو دوبارہ شادی کی مکمّل آزادی ہی نہیں دی بلکہ قرآن حکیم کی سورۂ نور میں تو کھلے طور پر حکم ہُوا۔ کہ اپنے میں سے بے شوہر والی عورتوں کا نکاح کر دیا کرو۔ اس ضمن میں رسول خداؐ نے ذاتی مثال پیش کی۔ عین عالم جوانی

۱۔ بخاری۔

جبکہ عمر مبارک صرف پچیس برس تھی ، چالیس سال کی ایک ادھیڑ عمر بیوہ ، حضرت خدیجہؓ سے شادی کی ۔ یہ آپؐ کی پہلی شادی تھی ۔ پچیس برس تک رفاقت رہی اور حضرت خدیجہؓ کی زندگی میں آپؐ نے دوسرا نکاح نہیں کیا ۔ اس بیوہ کا مقام کس قدر بلند ہے ، جس نے اپنے بچوں کی پرورش کی خاطر عیش و آرام کی زندگی سے منہ موڑا اور اپنے آپ کو بچوں کی خدمت کے لئے وقف کر دیا ۔

حضور سرورِ عالمؐ نے ایسی بیوہ کے مقام و مرتبہ کو ایک واقعہ کی شکل میں بیان فرمایا ہے ۔

فرمایا کہ قیامت کے دن میں جب جنت کا دروازہ کھولوں گا ، تو ایک عورت نظر آئے گی جو جنت میں مجھ سے بھی پہلے داخل ہونا چاہے گی ۔ میں پوچھوں گا ۔ بی بی تو کون ہے ، تو بتائے گی میں ایک بیوہ ہوں ، جس کے چند ننھے یتیم بچے تھے ۔

یعنی میں نے ان کی پرورش کی اور دوسری شادی سے باز رہی !

ذاتی مثال :- مختلف حیثیتوں میں عورت کا وقار بلند کرنے کے لئے حضور سرورِ کونینؐ نے ذاتی مثالیں پیش کیں ۔

ابھی آپؐ بچے ہی تھے کہ والدہ ماجدہ وفات پاگئیں ۔ حضرت حلیمہؓ آپؐ کی رضاعی ماں تھیں ۔ جنہوں نے آپؐ کو دودھ پلایا اور پالا ۔ آپؐ اُن کا اور رضاعی بہن شیما کا عمر بھر نہایت احترام اور ادب فرماتے رہے ۔ وہ آتیں تو تعظیماً کھڑے

ہو جاتے اور بیٹھنے کے لئے چادر بچھا کر دیتے۔

حضورؐ کو اپنی بیویوں سے بھی بے حد محبت اور رغبت تھی ۔ پہلا نکاح حضرت خدیجہؓ سے کیا۔ بعد میں مختلف اوقات میں دس ازواج مطہرات آپؐ کے نکاح میں رہیں۔ سب کے ساتھ یکساں سلوک کیا اور کسی کو کبھی شکایت کا موقعہ نہ دیا۔

حضرت فاطمہؓ آپ کی بیٹی تھیں ، ان سے زندگی بھر بے پناہ محبت اور شفقت کی ، سفر سے لوٹتے تو سب سے پہلے انہیں کے گھر جاتے ۔ وہ تشریف لاتیں تو اُٹھ کر کھڑے ہو جاتے ۔ پیشانی پر بوسہ دیتے اور اپنی نشست پر بٹھاتے

تعلیم و تبلیغ کے لئے علیحدہ وقت : دین کی تعلیم اور تبلیغ کے سلسلے میں بھی نبی اکرمؐ نے عورتوں کو مردوں کے برابر درجہ دیا ۔ مسجدِ نبوی میں وعظ فرماتے تو ہر کسی کی خواہش ہوتی تھی کہ زیادہ سے زیادہ قریب ہو کر آپؐ کی باتیں سُنے ۔ خلقت کا ایک ہجوم ہوتا تھا ۔ جس میں مرد بھی ہوتے تھے اور عورتیں بھی ۔ مرد تو شمع رسالتؐ کے پاس پہنچ جاتے جبکہ عورتیں دُور سے ہی استفادہ کرتیں۔

دقت بڑھی تو عورتوں نے عرض کی کہ مردوں کے ہجوم کی وجہ سے انہیں وعظ سننے اور مسئلے مسائل دریافت کرنے میں دشواری ہوتی ہے ، لہٰذا انہیں الگ وقت دیا جائے ۔ حضورؐ نے ان کی درخواست قبول فرمائی اور عورتوں کے

ایک دن مقرر کر دیا[1]۔

تبصرہ:۔ ان اقدامات کا یہ نتیجہ نکلا کہ عورت کو اس کے چھنے ہوئے حقوق مل گئے وہ روزمرہ زندگی میں مردوں کے ہم پلہ قرار پائی۔ زمانہ امن ہو یا میدانِ جنگ وہ ہر جگہ مردوں کے شانہ بشانہ نظر آنے لگی۔ عورت کو حقیر، کم حوصلہ اور ناسمجھ خیال کرنے والے، اس کے اوصاف کے گن گانے لگے۔ یہ حضور سرورِ کونینؐ کی نظرِکرم تھی کہ اس مظلوم مخلوق کی آزمائش ختم ہوئی اور وہ ایک آزاد اور باوقار ہستی کے طور پر دنیا کے سامنے آئی۔

عورت کی آزادی کی اس سے بڑھ کر مثال کیا ہو سکتی ہے کہ ایک لونڈی اپنے شوہر سے علیحدگی اختیار کرتی ہے تو وہ پریشانی کے عالم میں دربار رسالتؐ میں حاضر ہوتا ہے کہ آپؐ خاتون کو سمجھا دیں اور بات بنی رہے۔ حضورؐ نظرِثانی کے لئے کہتے ہیں تو لونڈی یہ جان کر کہ یہ آپؐ کا حکم نہیں، بلکہ مشورہ ہے، قبول کرنے سے معذرت کر دیتی ہے۔

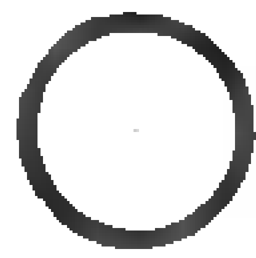
آج دنیا بھر میں حقوقِ نسواں کا بہت شہرہ ہے۔ ایشیا ہو یا یورپ، امریکہ ہو یا افریقہ، ہر جگہ خواتین کے حقوق کی بات ہو رہی ہے۔ کانفرنسیں منعقد ہوتی ہیں۔ جلسے بلائے جاتے ہیں۔ جلوس نکلتے ہیں۔ مغرب کے ترقی یافتہ ملک گلا پھاڑ پھاڑ کر پراپیگنڈہ کرتے ہیں کہ عورت کو آزادی اور حقوق دلانے میں

۱۔ بخاری۔

انہوں نے پہل کی ہے۔ اس قسم کے بے بنیاد دعوے کرتے وقت وہ یہ یکسر بھول جاتے ہیں۔ کہ ان کی عورتیں تو ابھی دو صدیاں پہلے تک غلاموں جیسی زندگی بسر کرتی تھیں۔ جبکہ حضور سرورِ کونینؐ، رحمۃ للعالمینؐ نے یہ انقلاب آج سے چودہ سو سال قبل برپا کیا اور بلند بانگ دعوے کرنے والوں نے جو تھوڑی بہت روشنی حاصل کی ہے وہ اسی منبع نور سے لی ہے۔

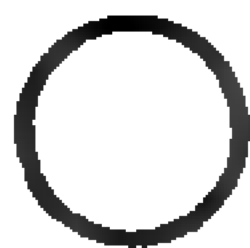
تیسرا باب

رسولِ رحمتؐ



غلاموں

کے لئے



رسولِ رحمت
غلاموں کے لئے

(رسولِ خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے وقت دنیا کی بیشتر اقوام میں غلامی کا رواج موجود تھا۔ یہ بے بس لوگ جانوروں جیسی زندگی بسر کرتے۔ ان بیچاروں کو پیٹ بھر کر کھانا ملتا اور نہ ہی جسم ڈھانپنے کو کپڑا۔ مالک کے اشارے پر حکم بجا لانا ان کا مقدر تھا۔ اور اگر کبھی بھول چوک ہو جاتی تو ایسی سخت سزائیں ملتیں، جن کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور اس سے بھی اگر جی نہ بھرتا تو مالک کو حق حاصل تھا کہ کسی کے ہاتھ بیچ کر پیسے کھرے کرلے۔

بعثت سے پہلے غلاموں کی حالت

یہاں یہ ضروری محسوس ہوتا ہے کہ بعثت کے وقت مختلف ملکوں اور قوموں میں غلامی کے تصور اور رواج کا جائزہ لیا جائے۔

ہندوستان:۔ غلامی کی سب سے زیادہ منظم اور قدیم شکل ہندوستان میں موجود تھی۔ ہندومت میں ذات پات کے فلسفہ پر ایک نظر ڈالیں، اعلیٰ ترین ذات برہمنوں کی تھی، جو دوسروں کے مذہبی اور روحانی پیشوا بھی تھے، ان کے بعد کشتری آتے تھے۔ جن کا کام ملک کا دفاع کرنا تھا۔ پھر ویش تھے۔۔

زمینی باڑی یا معمولی کاروبار کر سکتے تھے اور آخر میں شُودر آتے ہیں۔ یہ سب سے گھٹیا لوگ تھے، جو کہنے کو تو ہندو تھے مگر باقی تین ذاتوں سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا، انہیں نہایت حقیر، کمتر اور ناپاک سمجھا جاتا تھا۔

ذاتوں کی یہ تقسیم مستقل بنیادوں پر تھی۔ برہمن کا بیٹا برہمن اور شُودر کا بیٹا شُودر ہی ہوتا۔ اہلیت کے باوجود کسی شودر گھرانے میں جنم لینے والا فرد عزّت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ ان پر عبادت گاہوں کے دروازے بند تھے، اگر چاہیں تو الگ مندر بنالیں، ان کے کنویں اور بستیاں الگ تھیں۔ وہ ہندوؤں کی مقدس کتاب 'وید' کے پاس تک نہیں پھٹک سکتے تھے اور اگر کہیں غلطی سے بھی اس کا کوئی لفظ ان کے کانوں میں پڑ جاتا، تو سزا کے طور پر کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جاتا تھا۔ وہ ایک طرح سے اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کے ذاتی غلام تھے۔ وُہ جو کام چاہتے اُن سے لیتے اور جو ظلم چاہتے، روا رکھتے تھے۔ تو گویا حضور نبی کریمؐ کی بعثت کے وقت ہندوؤں میں غلامی نہ صرف موجود تھی، بلکہ ایک لحاظ سے ان کے مذہب کا حصہ تھی۔

لطف کی بات تو یہ ہے کہ ہندو سوسائٹی کا نقشہ آج بھی وہی ہے۔ سینکڑوں سال بیت گئے۔ دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ تقریباً سبھی جگہ غلامی کی زنجیریں کٹ گئیں۔ مگر ہندوستان میں حالت نہ بدلی۔ وہاں آج بھی شودر سب سے گھٹیا قوم شمار ہوتے ہیں۔ بیسویں صدی کی ان آخری دہائیوں میں

ان کے ساتھ غیر انسانی سلوک روا رکھا جاتا ہے ، وہ آج بھی اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کے تابع اور غلام ہیں۔ اگر کبھی بھولے سے حقوق کی بات کریں، تو گردن زدنی قرار پاتے ہیں۔

یونان: یونانی تہذیب نہایت قدیم ہے۔ یونانیوں نے سب سے پہلے شہری زندگی کے اصول اور قوانین وضع کئے۔ شہریوں کے لئے حقوق و فرائض مرتب کئے اور آج کا یونانی بھی ماضی کی ان کارگزاریوں پر فخر کرتا ہے۔

لیکن وہاں بھی انسانوں کے درمیان تفریق کی گئی۔ کوئی اعلیٰ خون ٹھہرا تو کسی کو ادنیٰ قرار دیا گیا۔ شرفاء تھوڑے ہی نکلے جبکہ نچلے درجے والوں کی انتہا نہ رہی، اور صورتِ حال یہ تھی کہ ایک آزاد شہری کے حصے میں تین غلام آتے تھے۔ ایسا ہوتا بھی کیوں نہ۔ وہاں کے مانے ہوئے فلاسفر اور عالم باقاعدہ غلامی کے حق میں دلائل دیتے نہیں تھکتے تھے۔ ارسطو[1] کے نام سے کون واقف نہیں۔ دنیا آج بھی اس کی علمیت کا سکہ مانتی ہے۔ مگر غلامی کے بارے میں کہتا ہے کہ:

"یہ ایک فطری شے ہے۔ ادنیٰ اور اعلیٰ کی تفریق ازل سے ہے اور ابد تک رہے گی۔ بعض لوگوں کی تو قسمت میں ہی غلام بننا لکھا ہوتا ہے اور وہ پیدا ہی اس لئے ہوتے ہیں کہ دوسروں کے ناز اٹھائیں۔"

۱۔ مشہور فاتح سکندرِ اعظم کا اتالیق

جس معاشرے میں تہذیب اور اخلاق کے بانیوں کا یہ حال ہوگا، وہاں خیر کی توقع رکھنا فضول ہے۔ یونان اور اس کے زیر اثر دیگر علاقوں میں غلامی پنپی اور خوب پنپی۔ وہاں کی قدیم عمارات کے کھنڈرات آج بھی ان مظلوم انسانوں کی بے بسی کی بے شمار داستانیں سنانے کے لئے بے تاب ہیں۔

قدیم یونانیوں نے دیگر فنون کے ساتھ ساتھ کھیلوں پر بھی توجہ دی۔[1] اجتماعی کھیلوں کے لئے اکھاڑے بنائے، طرح طرح کے کھیلوں کو رواج دیا۔ شرفاء کی خوش دلی کے لئے بہت پاپڑ بیلے۔ لیکن تصویر کا تاریک ترین رُخ یہ ہے کہ کبھی کبھی ایسا کرنے کے لئے غلاموں کے خون کی ہولی بھی کھیلی جاتی تھی۔ وہ یوں کہ ان لاچار انسانوں کو ہاتھ پاؤں باندھ کر اکھاڑے میں پھینک دیا جاتا۔ اور ان پر بھوکے شیروں کو چھوڑ دیا جاتا۔ بے بس انسان چیختے چلاتے تو شرفاء کے چہروں پر مسکراہٹ پھیل جاتی۔

مصر:۔ مصری تہذیب بھی خاصی پرانی ہے۔ بلکہ بعض ماہرین تو اسے روم سے بھی زیادہ قدیم شمار کرتے ہیں۔ اس کا جائزہ لیں تو وہاں بھی غلامی کی لعنت اپنے پورے عروج پر نظر آتی ہے۔ قدیم مصری حکمرانوں کے محلات دیکھیں یا اہرام مصر پر ایک نظر ڈالیں۔ ایک ایک پتھر اپنے بنانے والوں کی مظلومیت کی داستان سنانے کے لئے بے قرار ہے۔

۱۔ اولمپک کھیلوں کی ابتدا بھی یونان ہی سے ہوئی۔

ان پُرشکوہ عمارات کی تعمیر غلاموں کے ہاتھوں ہی ہوئی۔ سینکڑوں فٹ کی بلندی پر بیسیوں من وزنی پتھر لگے دیکھ کر، حیرت گُم ہو جاتی ہے، کہ ہزاروں برس پہلے جب کرینوں کا وجود تک نہیں تھا، انہیں اس قدر بلندی تک کیسے پہنچایا گیا۔ یقیناً یہ کام انسانوں ہی نے کیا، لیکن اس کوشش میں کتنوں نے جانیں گنوائیں۔ یہ کوئی نہیں جانتا۔ ظاہر ہے تعداد سینکڑوں میں نہیں ہزاروں میں ہوگی۔ بھلا ایسی بیکار مخلوق کا ریکارڈ کون رکھتا تھا۔ حکمرانوں کو زندگی میں محلات چاہئیں تھے اور مرنے پر مقبرے۔ لہٰذا وُہ ان غلاموں نے اپنے خون سے تعمیر کر دیئے۔ اللہ اللہ خیر سلا۔

کبھی مصری عجائب گھروں میں جھانکنے کا اتفاق ہو تو عجیب و غریب کھلونے اور تصاویر دیکھنے کو ملیں گی۔ کہیں چھکڑوں میں جانوروں کی جگہ انسان جتا ہُوا ہے تو کہیں وُہ امراء کی تفریحی گاڑیوں کو کھینچ رہا ہے۔ کہیں بیگمات کی ڈولیوں کو کندھا دیئے ہے تو کہیں کسی "اعلیٰ نسل انسان" کے سر پہ بڑی سی چھتری تانے کھڑا ہے۔ قدیم مصر میں غلامی کے یہ چند روپ، آج بھی انسانوں کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

عرب :- غلامی کے معاملے میں عرب بھی دوسری قوموں سے پیچھے نہیں تھے۔ سارا ملک قبائل میں بٹا ہُوا تھا۔ قبیلے کا سردار اپنے آدمیوں کی فلاح و بہبود کا خیال رکھتا اور وہ دل و جان سے اس کی اطاعت کرتے تھے۔ اس نظام کے تحت وہ اپنے آپ کو محفوظ خیال کرتے تھے۔ سردار کے خلاف بغاوت کا تصور تک نہ تھا

ایسا کرنے والا برادری، قبیلے سے خارج اور بے یار و مددگار ہو جاتا تھا۔ یوں اپنی آزادی کے تحفظ میں ناکام ہوتا، تو کسی زبردست کے ہتھے چڑھ جاتا تھا جو اُسے غلام بنا لیتا۔

پھر قبائل کی باہمی جنگوں میں شکست کھانے والوں کو بھی اکثر غلام بنا لیا جاتا تھا، دیگر ملکوں سے بھی غلام بکنے کے لئے سرزمین عرب میں آجاتے تھے۔ جنہیں مالدار لوگ خرید لیتے اور یوں یہ سلسلہ جاری رہتا تھا۔

غلاموں کے بارے میں عربوں کے نظریات بھی دوسری اقوام سے ملتے جلتے تھے۔ ان کے بس فرائض ہی فرائض تھے، حقوق کا کوئی تصور نہیں تھا۔ بیچارے جانوروں کی طرح کام کرتے اور مکمل طور پر مالکوں کے رحم و کرم پر ہوتے تھے۔

طلوعِ آفتابِ رسالت

حضور سرورِ کائنات ؐ نے مظلومیت کے شکار، اس طبقے کو بھی ذلت کی گہرائیوں سے نکالا۔ انہیں شرفاء کا ہمسر ہی نہیں بنایا بلکہ آقا اور مولا بھی بنا دیا۔ بعثت سے قبل بھی حضور ؐ انسان کو انسان کے تابع دیکھتے تو پریشان ہو جاتے اور ان کی فلاح کے لئے غور و خوض فرماتے رہتے تھے۔ چنانچہ یہ آپ ؐ ہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ مکہ کے چند رئیسوں نے مل کر ایک معاہدہ امن طے کیا۔ انہوں نے عہد کیا کہ اس مقدس شہر کو ا[illegible]

کی بستی بنایا جائے گا۔ غریبوں، مسکینوں، یتیموں، ناداروں، غلاموں اور کنیزوں کے حقوق کا خیال رکھا جائے گا، اور حتی الامکان ان کی حفاظت اور حمایت کی جائیگی۔ تاریخ میں اس معاہدے کو حلف الفضول کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں شامل تین سرداروں کے ناموں میں فضل کا لفظ مشترک تھا۔ چنانچہ اس نسبت سے معاہدے کو حلف الفضول کہا جانے لگا۔ حضور سرورِ کونینؐ نے بھی اس میں شرکت کی۔ آپؐ بعثت کے بعد بھی اس کا ذکر فخر سے فرماتے اور کہتے کہ اس عہد کے بدلے میں کوئی اگر مجھے سُرخ اونٹ بھی دے تو نہ لوں۔ اور اگر کوئی آج بھی مجھ سے ایسا معاہدہ کرنے کے لئے کہے تو میں تیار ہوں، گویا مظلوموں، مسکینوں اور غلاموں سے ہمدردی آپؐ کی گھٹی میں تھی اور اس کی عملی ابتدا ظہورِ اسلام سے قبل ہی ہو چکی تھی۔ اور یہ ان بے بس انسانوں سے آپؐ کی رغبت ہی کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے دعوتِ حق پر سب سے پہلے لبیک کہا۔ ان میں حضرت زید بن حارثؓ، حضرت خبابؓ، حضرت بلالؓ، حضرت صہیبؓ، حضرت عامر بن فہیرہؓ، حضرت عمارؓ، حضرت سالمؓ اور حضرت یاسرؓ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

تدریجی اقدامات

اعلانِ نبوت کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک باقاعدہ

پروگرام کے تحت غلامی کے خاتمہ کے لئے بتدریج اقدامات کئے۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اس زمانہ کے حالات کے پیشِ نظر غلامی کو فوری ختم کرنا ممکن نہ تھا۔ اس سے طرح طرح کے معاشی اور سماجی مسائل پیدا ہونے کا خدشہ تھا، چنانچہ ایسی حکمت عملی اختیار کی گئی کہ کسی قسم کی الجھن کا شکار ہوئے بغیر، یہ لوگ آہستہ آہستہ معاشرے کے باعزت فرد بنتے جائیں۔

○ - غلاموں کو آزادی دینے اور دلانے کو افضل نیکی قرار دیا۔

○ - زکوٰۃ، اسلامی مالیاتی نظام کا ستون ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے جن کاموں پر خرچ کرنے کی اجازت دی ہے، ان میں غلاموں کی آزادی بھی ہے۔ یعنی زکوٰۃ کے پیسوں سے کسی غلام کو خرید کر آزاد کیا جاسکتا ہے۔ سبحان اللہ! مصلحت ملاحظہ ہو۔ کہ اس برائی کے خاتمہ کے لئے اگر کہیں انفرادی کوششیں کم پڑ جاتیں، تو حکومت زکوٰۃ کی مد سے رقم خرچ کرکے ایسے مظلوم انسانوں کی مدد کرسکتی ہے۔ اور پھر زکوٰۃ رکن اسلام ٹھہری۔ جس کی ادائیگی مسلمان قیامت تک کرتے رہیں گے۔ تو گویا اس فنڈ کو دوام بخش کر اس امر کو یقینی بنایا کہ دنیا سے غلامی کی جڑ کٹ جائے۔

○ - غلاموں کی آزادی کو مختلف گناہوں کا کفارہ مقرر کردیا۔ مثال کے طور پر

۱۔ اگر کوئی شخص جان بوجھ کر قسم توڑ دے تو اس پر واجب ہے کہ ایک غلام آزاد کرے یا دس مسکینوں

کو کھانا کھلائے یا پھر تین دن روزے رکھے۔

ب۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنی ماں سے تشبیہ دے دے تو اس کے لئے لازم ہے کہ ایک غلام آزاد کرے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے اور یا دو مہینے کے مسلسل روزے رکھے[2]

ج۔ اگر کوئی ذمی[3] کسی مسلمان کے ہاتھوں قتل ہو جائے، تو اس پر واجب ہے کہ ایک مسلمان غلام آزاد کرے یا دو مہینے کے لگاتار روزے رکھے[4]۔

د۔ زمانہ جاہلیت میں جنہوں نے اپنی لڑکیوں کو قتل کر دیا تھا انہیں حکم ہوا کہ ہر لڑکی کے بدلے میں ایک غلام آزاد کریں۔ اگر یہ ممکن نہیں تو ہر لڑکی کے کفارے میں ایک اونٹ کی قربانی دیں[5]۔

○ - دشمن کا غلام مسلمانوں کی پناہ میں آجانے تو خود بخود آزاد ہو جاتا تھا۔

○ - غلاموں کو یہ سہولت دی گئی کہ وہ اپنی قیمت خود ادا کر کے آزادی خرید سکتے ہیں۔ اس غرض کے لئے وہ کسی دوسری جگہ ملازمت کر سکتے تھے۔ اور اس دوران ان پر اپنے مالک کی خدمت لازم نہیں ہوتی تھی۔

○ - اس زمانہ میں غلاموں کی اکثریت جنگی قیدیوں پر مشتمل ہوتی تھی۔ جنگوں میں

۱۔ بحوالہ سورۃ المائدہ 2۔ بحوالہ سورۃ المجادلہ 3۔ وہ غیر مسلم جو مسلمانوں کی پناہ میں آجائے

۴۔ بحوالہ سورۃ النساء

۵۔ سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبیؐ، جلد ششم، ص۔ 211

پکڑے جانے والے لوگوں کو ذاتی خدمت کے لئے رکھ لیا جاتا اور وہ باقی عمر نہایت کس مپرسی کی حالت میں گذار دیتے تھے۔ ان کے لئے آزادی ایک خواب و خیال بن کر رہ جاتی تھی۔ اسلام نے جنگی قیدیوں کی رہائی کے لئے نہایت آسان قوانین بنائے۔

(الف) کھاتے پیتے قیدی معمولی سی رقم بطور فدیہ ادا کر کے آزاد ہو سکتے تھے۔

(ب) پڑھے لکھے قیدی چند ان پڑھ مسلمانوں کو پڑھا کر آزاد ہو سکتے تھے۔

بدر کے بعض قیدیوں کی رہائی اسی طرح ہوئی تھی۔

(ج) نادار اور مفلس قیدیوں کو کسی معاوضے کے بغیر یونہی چھوڑ دیا جاتا تھا۔

ان اقدامات کا نتیجہ یہ نکلا کہ غلام دھڑا دھڑ آزاد ہونے لگے۔ صحابہ نیکی کے اس کام میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ زوجۂ رسولؐ ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ ایک کھاتی پیتی خاتون تھیں۔ انہوں نے اللہ کی راہ میں بے شمار غلام آزاد کئے وہ عام طور پر ظلم کی چکی میں پسنے والوں کو ان کے آقاؤں سے خرید لیتیں اور آزاد کر دیتی تھیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی اس کارِ خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اُن کی صاحبزادی اور زوجۂ رسولؐ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ نے صرف ایک قسم کے کفارے میں چالیس غلام آزاد کئے[1]۔ حضرت حکیم بن حزام نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا تھا۔ ایمان کی دولت سے مالا مال ہونے کے بعد آپ نے ایک سو غلام آزاد کئے[2]۔ حضرت عبداللہ بن عمر کے بارے

1- بخاری 2- مسلم

روایت ہے کہ انہوں نے ایک ہزار غلاموں کو آزادی دلائی اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ کے بارے میں بھی کہا جاتا ہے کہ ان کے ہاتھوں سینکڑوں غلام آزادی کی نعمت سے مالا مال ہوئے۔

یہ حضور سرورِ کونین ؐ کی نظرِ کرم تھی کہ ہر طرف غلامی کی زنجیریں کٹنے لگیں اور لاتعداد لاچار اور مجبور انسانوں کو آزادی جیسی نعمت نصیب ہوئی۔

تحفظات

(جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، اس زمانہ کے حالات کے پیشِ نظر غلامی کو یک لخت ختم کر دینا ممکن نہیں تھا۔ چنانچہ یہ چھوٹے چھوٹے بہانے رکھے گئے، تاکہ بندہ بندے کا تابع نہ رہے، بلکہ اللہ کی غلامی میں آکر سب یکساں ہو جائیں۔

تاہم اس برائی کے مکمل خاتمے تک ان لاچار انسانوں کو بہت سارے تحفظات مہیا کئے گئے)

<u>خوراک اور لباس کے بارے میں تاکید</u>:۔ غلاموں کے معاشی تحفظ کو یقینی بنانے کے لئے جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا۔ "غلام تمہارے بھائی ہیں جو خود کھاؤ ان کو کھلاؤ، جو خود پہنو اُن کو پہناؤ۔ ان کو اتنا کام نہ دو جو وہ کر نہ سکیں۔ اور اگر کام زیادہ ہو تو خود بھی ان کی مدد کر دیا کرو[1]"

۱۔ بخاری

خادموں کو اپنے ہمراہ کھلانے کو کہا ۔ فرمایا۔

"جب کوئی تمہارا خادم کھانا لائے تو اسے اپنے ہمراہ بٹھاؤ، اگر وُہ ایسا نہ کر سکے تو اُسے ایک دو لقمے دے دو"

حسنِ سلوک کی تاکید :۔

مومن کی معراج جنت کا حصول ہے ۔ غلاموں کے ساتھ اچھا برتاؤ نہ کرنے والوں کو یہ کہہ کر ڈرایا، بدغلاموں کے ساتھ بدسلوکی کرنے والا جنّت میں نہیں جائے گا۔[1]

ایک صحابی کو غلام کو سزا دیتے ہوئے دیکھا تو فرمایا۔

" تمہیں جس قدر اس غلام پر اختیار ہے ، اللہ کو اس سے کہیں زیادہ تم پر اختیار ہے"[2]

صحابی نے یہ سُنا تو لرز گئے اور غلام کو اسی وقت آزاد کر دیا۔

ایک صحابی کے خدمت گار ذرا سست قسم کے تھے ۔ اکثر ڈانٹ ڈپٹ کرنی پڑتی تھی ۔ حضور سرورِ کونینؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا کہ "کیا میرا فعل درست ہے"۔ آپؐ نے فرمایا:

تمہاری سزا اُن کے قصور کے برابر ہوگی تو خیر ورنہ سزا کی جو مقدار زائد ہو اتنی اللہ تمہیں بھی دے گا"۔[3]

اس پر وہ صحابی پریشان ہو گئے اور فوری تمام خدمت گاروں کو آزاد کر دیا۔

۱۔ بخاری 2۔ ابوداؤد 3۔ مسند احمد بن حنبل

غلاموں کی غلطیوں اور کوتاہیوں کو نظر انداز کرنے پر بہت زور دیا۔
ایک دفعہ ایک صحابی نے عرض کی یارسول اللہؐ! میں غلام کا قصور کتنی دفعہ معاف کروں۔ آپؐ خاموش رہے، دوسری مرتبہ پوچھا، تو بھی کوئی جواب نہ دیا۔ تیسری بار دریافت کرنے پر فرمایا۔

"دن میں ستّر بار معاف کیا کرو"[1]

سبحان اللہ اس قدر کرم کے بعد سزا کی گنجائش ہی کہاں رہ جاتی ہے۔

تحائف اور وظائف میں سے حصّہ ظہورِ قدسی سے قبل تحائف، وظائف اور مالِ غنیمت میں سے غلاموں اور کنیزوں کو کچھ نہیں ملتا تھا۔ حضور سرورِ کونینؐ نے ان میں ان کا باقاعدہ حصہ رکھا، بلکہ انہیں خصوصی حصّے کا مستحق قرار دیا تاکہ وہ اپنے پاؤں پہ کھڑے ہوسکیں۔

ایک دفعہ یمنی مہروں سے بھری ہوئی ایک تھیلی آپؐ کی خدمت میں پیش کی گئی۔ کچھ آزاد عورتیں اور کنیزیں حاضرِ خدمت تھیں۔ آپؐ نے تمام مہریں موجود عورتوں میں برابر تقسیم فرمادیں[2]۔

لختِ جگر حضرت فاطمہؓ کو نصیحت: رسولِ خداؐ کی صاحبزادی جناب فاطمہؓ گھر کا سارا کام خود کرتی تھیں۔ صحت جواب دینے لگی تو ایک کنیز کے لئے درخواست کی۔ جنابِ رسالتمآبؐ نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ یہ غریبوں اور مسکینوں

۱۔ ابوداؤد 2۔ ابوداؤد

کا حصّہ ہے ۔ مگر امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی پیدائش کے بعد صورتِ حال بدل گئی۔ دونوں بچّوں کی پیدائش میں سال سے بھی کم وقفہ تھا اور جنابِ حسینؑ تو ویسے بھی بہت کمزور تھے ۔ چنانچہ اس بار حضرت فاطمہؓ نے کنیز کے لئے کہا ، تو حضور سرورِ کونینؐ مان گئے۔ اور چھ سال کی ایک بچّی عنایت فرمائی جس کا نام فضّہؓ تھا اور حبشہ سے آئی تھی۔

تاہم کنیز کو جنابِ فاطمہؓ کے سپرد کرتے ہوئے فرمایا ۔ کہ اس کی عمر اور قوّت کار کا خیال رکھا جائے ۔ کام باری سے کریں ۔ ایک دن خود اور ایک دن کنیز اگر کام زیادہ ہو تو فضّہ کی مدد کریں ، جو خود کھائیں وُہ اُسے کھلائیں اور جو خود پہنیں وُہ اُسے پہنائیں۔

ذرا غور فرمائیں ۔ یہ نصیحتیں اپنی جان سے زیادہ عزیز بیٹی کو کی جا رہی ہیں کیا کوئی ہستی اس سے بڑھ کر غلاموں اور کنیزوں کے حقوق کا تحفّظ کرسکتی ہے ہرگز نہیں ، یہ اعزاز صرف اور صرف جناب سرورِ کونینؐ کو حاصل ہوا ۔ جنابِ فضّہؓ کی وفاداری بھی ملاحظہ ہو کہ ساری عمر جنابِ سیّدہؑ کے قدموں میں گذار دی جنابِ حسنؑ اور حسینؑ انہیں امّاں کہہ کر پکارا کرتے تھے ۔

شادی شدہ غلاموں اور کنیزوں میں علیحدگی کی ممانعت :- زمانہ جاہلیت میں آقا کو اپنے غلام یا کنیز پر پورا اختیار ہوتا تھا ۔ اور وُہ اُن کے بارے میں جو فیصلہ چاہتے ، کرتے تھے ، کسی غلام سے خوش ہو جاتے تو کسی کنیز کو پکڑ کر

اس کی شادی کر دیتے۔ پھر کبھی کسی بات پر غصّہ آتا تو میاں بیوی میں زبردستی علیحدگی کروا دیتے، اور وہ بیچارے دل مسوس کر رہ جاتے تھے۔

ایسا ہی ایک واقعہ عہدِ رسالت میں پیش آیا تو غلام فریاد لے کر جنابِ سرورِ کونین ؐ کے حضورؐ پیش ہو گیا۔ آپؐ کو یہ بات بہت بُری لگی۔ چنانچہ اُسی وقت مسجدِ نبوی میں اجتماع کیا اور خطبہ دیتے ہوئے فرمایا۔

"غلاموں سے نکاح کرنے کے بعد لوگ علیحدگی کیوں کرانا چاہتے ہیں، نکاح اور طلاق کا حق تو صرف شوہر کو حاصل ہے"!

غلاموں کے اس حق کو تسلیم کر کے رسولِ رحمتؐ نے ان کی سماجی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا۔

میرا بندہ نہیں میرا جوان: زمانے کے رواج کے مطابق غلام کو عبد کہا جاتا تھا۔ جس کے معنی ہیں۔ "بندہ" گویا کہ غلام اپنے آقا کا بندہ ہوا۔ غلاموں کو حکم تھا کہ آقاؤں کو "رب" کہیں۔ حضور سرورِ کائناتؐ نے اس ذلت کا خاتمہ کیا۔ آقاؤں کو ہدایت کی کہ غلام کو میرا بندہ کہنے کی بجائے میرا جوان کہہ کر مخاطب کریں اور غلاموں سے کہا کہ آقاؤں کو "رب" کی بجائے مولیٰ (یعنی مالک) کہہ کر پکاریں۔[2]

مقصد یہ تھا کہ غلاموں میں عزتِ نفس پیدا ہو، اور آقاؤں کی حد سے

۱۔ ابن ماجہ 2۔ بخاری۔

بڑھی ہوئی انا قابو میں رہے۔

سرورِ کونینؐ کی وصیت اور غلام

(۹۔ مسکینوں کے والی جناب رسالتمآبؐ دنیا سے کوچ کرنے لگے، تو بھی اس بے بس مخلوق کا خیال رہا۔ وصیت میں فرمایا "نماز پر کاربند رہنا اور اپنے زیردستوں کے ساتھ برا سلوک نہ کرنا"

گو علمائے کرام نے زیردست سے غلام ہی مراد لیا ہے۔ تاہم اگر ذرا گہرائی میں جائیں تو اس لفظ کو بے حد وسیع معنوں میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔ زیردست کے لفظی معانی ہیں "ہاتھ کے نیچے" یعنی قابو میں، قبضے میں یا ماتحت، آپ گھر میں دیکھیں تو بیوی، شوہر کی زیردست ہے۔ کارخانے میں مزدور مالک کے زیردست ہیں۔ دفتر میں ماتحت، افسر کا زیردست ہے۔ دیہات میں کسان، زمیندار کا زیردست ہے۔ تو گویا زیردست کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دے کر رسولِ رحمت جناب مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امن اور انصاف کی تعلیم دی۔ ظلم اور زیادتی سے منع فرمایا۔ صاحب اختیار بندوں پر ایک بھاری ذمہ داری ڈال دی۔ انہیں ماتحتوں کے حقوق کا محافظ ہی نہیں بلکہ اس سلسلے میں جوابدہ بھی بنا دیا۔ مقصد یہ کہ کسی کی حق تلفی نہ ہو۔ دنیا امن کا گہوارہ بنے۔ انصاف کا بول بالا ہو۔ غرباء اور مساکین زندگی ہی سے عاجز نہ آجائیں۔ ہر کسی کو اس کا حصہ ملے۔ اور یوں اللہ اور اس کے رسولؐ کی رحمت کا منشا پورا ہو۔)

حضورؐ اپنے خادموں کے ساتھ

زمانے میں اس بے بس مخلوق کا وقار بلند کرنے کے لئے حضور سرورِ کونینؐ نے ذاتی مثال پیش کی۔ اپنے خادموں کے ساتھ حسنِ سلوک کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے قریشی سردار ان کی قسمت پر رشک کرتے۔ جو بھی آپؐ کی خدمت میں رہا۔ ایسا گرویدہ ہوا، کہ دنیا و مافیہا کو فراموش کر دیا۔ آپؐ کے نمایاں خادموں میں حضرت زید بن حارثؓ، حضرت انسؓ، حضرت بلالؓ، حضرت سلمانؓ وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ کہنے کو تو وہ خادم تھے۔ لیکن دینی و دنیوی طور پر اس قدر سرفراز ہوئے کہ زمانہ رشک کرتا ہے۔

<u>زید بن حارثؓ</u>:۔ حضرت زیدؓ بن حارث قبیلہ بنو کلب سے تعلق رکھتے تھے۔ ایک قبائلی جنگ میں قیدی بن کر فروخت ہوئے تو مقدر کی انتہا تھی کہ ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ کی غلامی نصیب ہوئی۔ ابھی نو عمر تھے عادات و خصائل کا جوہر کھلا تو حضرت خدیجہؓ نے انہیں رسولِ خداؐ کی خدمت پر مامور کر دیا۔ سرکارِ دو جہاںؐ انہیں اولاد کی طرح چاہتے تھے اور بیٹوں ہی کی طرح پرورش کی۔ اس حسنِ سلوک کا نتیجہ یہ نکلا کہ زیدؓ سگے والدین کی شفقت اور گھر کا آرام بھول گئے۔

لیکن باپ کو چین کہاں۔ وہ تو اپنے لختِ جگر کی تلاش میں مارا مارا پھر

رہا تھا۔ جونہی پتہ چلا تو فدیہ کے طور پر ایک بھاری رقم لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ رقم آپؐ کے قدموں میں ڈھیر کی اور بیٹے کی واپسی چاہی"۔

جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا۔ بھئی، روپے پیسے کی کوئی ضرورت نہیں ابھی زیدؓ کو بلاتے ہیں۔ اس سے پوچھ لیں۔ اگر جانا چاہے تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

زیدؓ آئے۔ باپ کو پہچان تو لیا، مگر کہا "بابا۔ میں یہاں سے ہرگز نہیں جاؤں گا۔ مجھے اپنے آقا کی غلامی میں وُہ کچھ ملا ہے۔ جس پر ہزاروں آزادیاں قربان کی جا سکتی ہیں، اس جواب سے نہ صرف زیدؓ کے باپ کو اچنبھا ہُوا بلکہ حضورؐ بھی بے حد متاثر ہوئے۔ لڑکے کا ہاتھ پکڑا۔ خانہ کعبہ میں لے آئے اور اُسے آزاد کرتے ہوئے فرمایا۔ آج سے میں زیدؓ کو اپنا بیٹا بناتا ہوں، باپ نے رحمت وشفقت کی یہ فراوانی دیکھی تو مطمئن لوٹ گیا، کہ بیٹا یقیناً بہتر ہاتھوں میں ہے۔

یہی لڑکا جوان ہو کر جلیل القدر صحابی بنا، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے والے پہلے چار اشخاص میں سے ہونے کا اعزاز پایا۔ نکاح کی نوبت آئی تو حضورؐ سرکارِ دو جہاں نے اپنی پھوپھی زاد بہن سے بیاہ دیا۔ اور یہ وُہ اعزاز تھا جس پر کوئی بڑے سے بڑا قریشی سردار بھی فخر کر سکتا تھا۔

اسامہ بن زیدؓ:۔ جناب زیدؓ کے بیٹے حضرت اسامہؓ سے بھی بے حد رغبت تھی۔ وہ چھوٹے سے تھے تو گود میں بٹھا لیتے۔ تیار کرتے، صفائی

ضرورت ہوتی تو اپنے دستِ مبارک سے کر دیتے۔ جنابِ رسالتمآبؐ کی نظر میں حضرت اسامہؓ کے مقام کا اندازہ صرف اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ جب ایک معزز قبیلے کی فاطمہ نامی خاتون چوری کے الزام میں پکڑی جاتی ہے، تو سفارش کے لئے سب کی نظر اسامہؓ پر پڑتی ہے۔ ان کو گمان تھا کہ محبّت اور شفقت کے ہاتھوں حضورؐ ان کی بات رد نہیں کریں گے۔

یہی اسامہؓ جوان ہوتے ہیں، تو اسلامی فوج کے سپہ سالار تھے۔ رومیوں کے خلاف جنگ کے لئے ایک سے ایک بڑھ کر اعلیٰ نسب کے قریشی سردار اور صحابہ کبار موجود تھے۔ لیکن غریبوں کے والی، حضور سرورِ کونینؐ نے یہ عزّت اسامہؓ کو بخش کر یہ ثابت کر دیا۔ کہ اللہ کے نزدیک سب برابر ہیں۔ کوئی چھوٹا ہے نہ بڑا۔ رنگ اور نسل کا امتیاز بے معنی باتیں ہیں۔ غلام بھی اتنے ہی اہم ہیں۔ جتنے کہ آزاد۔ بلکہ وہ تو اُن کے بھی سردار ہیں۔

حضرت عمر فاروقؓ کے صاحبزادے کو اچنبھا ہوا، تو باپ نے وہیں وضاحت کر دی۔ فرمایا:

"اسامہؓ تجھ سے اور اس کا باپ تیرے باپ سے افضل ہے۔"

سبحان اللہ! تاریخ عالم کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک پڑھ جائیے۔ غلاموں اور زیردستوں کی عزّت افزائی کی ایسی مثالیں ڈھونڈے سے نہ ملیں گی۔

حضرت بلالؓ:۔ حضرت بلالؓ کے نام سے کون واقف نہیں۔ آپ حبشہ کے رہنے والے تھے۔ اس لحاظ سے حبشی مشہور ہوئے۔ آفتابِ رسالتؐ طلوع ہوا تو یہ غلام تھے۔ اسلام قبول کیا تو ظلم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ غلام کا مسلمان ہو جانا مشرک آقا کے لئے ایک چیلنج بن گیا۔ اُسے تو کسی پل چین نہیں آتا تھا۔ جناب بلالؓ سے حق کی راہ چھڑانے کے لئے ہر حربہ استعمال کیا۔ دہکتے انگاروں پہ لٹایا۔ تپتی ریت کو آزمایا۔ لیکن زبان کلمہ شہادت کے ورد سے باز نہ آئی۔ ظالم نے زبان کو بھی داغ دیا، تاکہ بولنے کی سکت ہی نہ رہے۔ لیکن حق کی آواز دب نہ سکی۔ ظلم مات کھا گیا۔ حضرت بلالؓ کو آزادی نصیب ہوئی اور جناب رسالتمآبؐ کے مقربِ خاص بنے۔

مسجد نبویؐ کے لئے مؤذن کی ضرورت پیش آئی تو نگاہِ رسالتؐ اُس حبشی غلام، جناب بلالؓ پر گئی۔ زبان کے جلائے جانے کی وجہ سے تلفظ بگڑ گیا تھا۔ بعض لفظوں کی ادائیگی صحیح طور پر نہیں کر سکتے تھے۔ خاص طور پہ "ش" کو "س" بولتے، آذان میں اَشْهَدُ کو اَسْهَدُ کہا تو بعض صحابہؓ کو عجیب لگا۔ معاملہ جناب رسالتمآبؐ کے نوٹس میں لایا گیا۔ ساتھ ہی دبی دبی تجویز بھی تھی کہ یہ ذمہ داری کسی صحیح زبان صحابی کو سونپ دی جائے۔ مگر غلاموں کے والی، حضور سرورِ کائناتؐ نے یہ تجویز رد کر دی اور فرمایا آذان تو بلالؓ ہی دیں گے۔

گویا یہ فیصلہ صادر فرما کر امت پہ واضح کر دیا کہ حبشی غلام اعلیٰ نسب کے آزاد صحابہؓ سے کسی طور بھی کم نہیں۔

یہی بلالؓ نکاح کی خواہش کرتے ہیں، تو بڑے بڑے قریشی سردار دعائیں مانگتے ہیں کہ پیغام ان کے ہاں آئے ہر کوئی اس حبشی غلام کو اپنی بہن، بیٹی دینے کے لئے تیار ہے یہ انقلاب کچھ کم تو نہیں ہے۔ یہ وہی لوگ ہیں جو چند سال قبل تک اپنی بیٹیوں کو اس لئے زندہ درگور کر دیتے تھے کہ کوئی ان کا داماد نہ بننے پائے۔

سنہ میں جناب بلالؓ نے وفات پائی تو حضور سرورِ کونینؐ زاروقطار روئے۔ غم کی شدّت کا یہ عالم تھا کہ ہچکی بندھ گئی۔ ایک صحابی پاس بیٹھے تھے۔ عرض کی۔ یا رسول اللہؐ! یہ کیا؟ فرمایا:

یہ دوست کا دوست کے لئے اظہار محبّت ہے۔

صحابہ کرامؓ بھی بے حد مغموم ہوئے۔ مرحوم کو شاندار الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے شدتِ جذبات میں فرمایا۔ لوگو! آج ہمارا آقا دُنیا سے اُٹھ گیا۔

بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ اُس "غلط تلفظ" والے حبشی غلام کی آذان ضرب المثل بن گئی۔ آج بھی کہیں آذان کا ذکر ہو، تو دھیان آذانِ بلال کی طرف خود بخود چلا جاتا ہے۔ آج کے مؤذن اُس غلام سے اپنی نسبت قائم

کہنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔

اس سلسلے میں یہاں ایک چھوٹے سے واقعے کا ذکر بے جا نہ ہوگا کہ عالم اسلام کے ایک نامور محقق جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب ۱۹۳۲ء میں انگلستان گئے، تو وہاں ایک مسجد میں نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ مؤذن نومسلم انگریز تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے نام پوچھا تو انہوں نے بڑے فخر سے بلال بتایا۔ وجہ پوچھی تو کہنے لگے کہ نام تو میں کوئی بھی رکھ سکتا تھا۔ لیکن اسلام کے پہلے مؤذن کے نام کی نسبت سے بلال ہی پسند کیا۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب ان کے جذبۂ ایمانی سے بے حد متاثر ہوئے![1]

حضرت سلمانؓ: جناب رسالتمآبؐ کے خادموں میں حضرت سلمانؓ کا نام بھی خاصا اہم ہے۔ آپؓ ایران کے علاقے اصفہان کے رہنے والے تھے آباؤ اجداد آتش پرست تھے۔ لیکن آپ اس مذہب سے مطمئن نہ ہوئے آگ کی عبادت کرنا آپ کو بہت عجیب لگتا تھا۔ دل میں حق کے لئے تڑپ پیدا ہوئی تو گھر سے نکل گئے۔ علاقوں علاقوں کی خاک چھانی، مختلف مذاہب کو قریب سے دیکھا، مقصد محض یہ تھا کہ شاید کہیں سے روشنی مل جائے۔ روشنی تو خیر نہ ملی البتہ منبع نور کی خبر مل گئی۔ ایک جگہ سے معلوم ہوا کہ ملک عرب میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور لوگ دیوانہ وار اس کی طرف لپک

۱۔ بحوالہ، ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی انگریزی تالیف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

رہے ہیں۔ دل میں شوق سمایا کہ میں بھی کسی طرح سے دربارِ رسالت میں حاضر ہو جاؤں۔ چنانچہ کسی عازمِ حجاز قافلے کی ٹوہ میں رہنے لگے، جلد ہی مراد بر آئی۔ پتہ چلا کہ ایک تجارتی قافلہ ملک عرب کی طرف جا رہا ہے۔ فوراً جا کر سردار سے ملے اور مدعا بیان کیا۔ وہ انہیں اپنے ہمراہ لے جانے پہ آمادہ ہو گیا۔ منزلِ مقصود پر پہنچے تو سردار کی نیت بدل گئی اور حضرت سلمانؓ کو ایک غلام کی حیثیت سے مدینہ کے ایک کسان کے ہاتھ فروخت کر دیا۔

اس کسان کے کھجور کے باغات تھے اور مکہ سے آنے والے راستے پر واقع تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو کسی نہ کسی طرح حضرت سلمانؓ کو بھی پتہ چل گیا۔ موقع ڈھونڈ کر آپؐ کی خدمت میں حاضری دی، تو بے چین روح کو قرار آ گیا۔

اسلام قبول کیا اور اپنی ساری داستان جناب رسالتمآبؐ کو کہہ سنائی آپؐ سن کر پریشان ہو گئے۔ اور صحابہؓ کی جانب رُخ کر کے فرمایا کہ ہمیں سلمانؓ کی مدد کرنا چاہیئے، چنانچہ طے یہ پایا کہ حضرت سلمانؓ کو ان کے مالک سے آزاد کرایا جائے۔ مالک سے بات کی تو کہنے لگا کہ معاوضے میں کھجور کے تین سو درخت لگا کر دینا ہوں گے اور دس اوقیہ[1] سونا اس کے علاوہ ہو گا۔ حضرت سلمانؓ نے یہ شرائط سنیں تو پریشان ہو گئے۔ واپس آ کر حضورؐ کو

۱۔ عہدِ نبویؐ میں رائج تول کا ایک پیمانہ

بتایا تو آپؐ نے تسلی دی اور فرمایا سب ٹھیک ہو جائے گا۔ پھر صحابہؓ کو حضرت سلمانؓ کی مدد کرنے کی ہدایت کی۔ صحابہؓ نے مل کر درخت لگانے کے لئے تین سو گڑھے کھود دیے، کھدائی کا کام ختم ہوا ہی تھا کہ جناب رسالتمآبؐ تشریف لے آئے اور سب گڑھوں میں پودے اپنے ہاتھوں سے گاڑے۔ صحابہؓ نے چاہا بھی کہ حضورؐ اس قدر مشقت نہ اٹھائیں لیکن آپؐ نہ مانے اور کام ختم کر کے ہی دم لیا۔

ایک شرط پوری ہو گئی، دس اوقیہ سونے کی فراہمی ابھی باقی تھی۔ نماز مغرب کے بعد حضورؐ مسجدِ نبوی میں تشریف فرما تھے کہ ایک اجنبی مرغی کے انڈے کے برابر سونے کی ایک ڈلی لے کر آیا اور جناب رسالتمآبؐ کی خدمت میں ہدیہ کی۔ آپؐ نے ڈلی فوراً حضرت سلمانؓ کے حوالے کی اور فرمایا "جاؤ اپنے مالک کا حساب بے باک کر دو"۔ حضرت سلمانؓ نے بہتیرا اصرار کیا کہ یہ ان کی ذمہ داری ہے اور وہ محنت مزدوری کر کے مالک کی شرط پوری کریں گے۔ لیکن آپؐ نہ مانے اور فرمایا نہیں یہ ہماری بھی ذمہ داری ہے۔ چنانچہ یوں حضرت سلمانؓ غلامی کی لعنت سے چھوٹے اور اور باعزت شہری کی حیثیت سے زندگی بسر کرنے لگے۔

سبحان اللہ! ایک غلام کو آزادی کی نعمت سے مالا مال کرنے کے لیے حضور سرورِ کونینؐ نے کس قدر محنت اور کوشش فرمائی[1]۔

۱۔ نقوش رسول نمبر۔ جلد نہم۔ ص ۸۶ - ۸۵

حضرت سلمانؓ کا شمار جلیل القدر صحابہؓ میں ہوتا ہے ساری عمر حضور سرورِ کائناتؐ کا قُرب رہا۔ اور ان پر حضورؐ کے اعتماد کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے صحابہ جناب سلمانؓ کی قسمت پر رشک کرتے۔

غزوۂ احزاب میں مسلمانوں نے مدینہ کی حفاظت کے لئے شہر کے گرد خندق کھود لی تھی۔ کھدائی شروع ہوئی تو مہاجرین اور انصار کے مختلف قبائل نے کام آپس میں بانٹ لیا۔ اور گروپوں کی صورت میں کام کرنے لگے۔ حضرت سلمانؓ پردیسی تھے۔ کسی بھی قبیلے نے اپنے گروپ میں شامل نہ کیا تو اُداس ہو گئے۔ حضورؐ نے پریشان دیکھا تو فرمایا۔ سلمانؓ تم کیوں گھبراتے ہو۔ تمہارا بھائی اور ساتھی میں ہوں، آؤ دونوں مل کر خندق کھودتے ہیں۔

<u>سرداروں کے سردار</u>:۔ بارگاہِ رسالتؐ میں آپ کا مقام مکہ کے رئیسوں سے کسی طور کم نہ تھا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت سلمانؓ، حضرت بلالؓ اور چند دیگر صحابہؓ کسی جگہ جمع تھے کہ ابوسفیانؓ ادھر سے گذرے بڑی شان سے اکڑ اکڑ کر چل رہے تھے۔ حضرت سلمانؓ نے دیکھا تو کہا کہ ابھی تک تلوار نے ان کی گردن پر پوری طرح قابو نہیں پایا۔ جناب بلالؓ نے بھی ان کی بات سے اتفاق کیا۔

حضرت ابوبکرؓ نے سُنا تو سمجھایا کہ انہیں ایک قریشی رئیس کے خلاف اس قسم کی

بات نہیں کرنا چاہیئے تھی۔ پھر جناب رسالتمآبؐ کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقعہ ملا، تو پورا واقعہ کہہ سنایا۔ آپؐ نے سُنا تو چہرے کا رنگ بدل گیا۔ فرمایا، "ابوبکرؓ کہیں آپ نے انہیں ناراض تو نہیں کردیا، خدا کی قسم! اگر انہیں ناراض کیا تو سمجھو خدا کو ناراض کردیا":

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ سُنا تو کانپ اٹھے۔ فوری طور پر جناب سلمانؓ اور جناب بلالؓ کے پاس گئے اور غلطی کی معافی چاہی، جب اُن بزرگوں نے واضح کردیا کہ وہ ناراض نہیں ہیں، تو کہیں جاکر حضرت ابوبکر صدیقؓ کو چین آیا!

ذرا حضور سرورِ کونینؐ کے ہاں غلاموں کا مقام ملاحظہ ہو۔ کہ انہیں قریشی سرداروں سے بھی اونچا مقام بخشا۔ صحابی ہونے کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیقؓ ابوسفیان کا شمار قریش کے رئیسوں اور سرداروں میں بھی ہوتا تھا۔ مگر دربارِ رسالتؐ سے مساوات کا وہ درس ملا کہ آقا و غلام کی تمیز ختم ہوگئی۔ غلاموں کو یہ حوصلہ بخشا کہ وہ کسی بھی ٹیڑھی گردن والے پر انگلی اٹھا سکیں اور پھر ان کی عزتِ نفس کا اس قدر خیال رکھا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ جیسے جلیل القدر صحابی کو بھی معذرت کرنا پڑی۔

صحابہ کبار کی نظر میں ان غلاموں کا مقام ملاحظہ ہو کہ انہیں سلمانؓ کے بارے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرمایا کرتے تھے کہ سلمان ہم اہل بیت میں سے ہیں

ا۔ مسلم 2۔ سید اسعد گیلانی، رسول اکرمؐ کی حکمت انقلاب، ص 373

حضرت انسؓ:۔ جناب انسؓ بھی حضور رسالتمآب کے خادموں میں شامل تھے۔ آپ سات برس تک حضورؐ کی خدمت میں رہے۔ مگر آپؐ نے انہیں کبھی ڈانٹا، نہ ہی کبھی یہ پوچھا کہ فلاں کام کیوں یا کیوں نہیں کیا۔[1]

اندازہ فرمائیں۔ سات سال ایک لمبا عرصہ ہے۔ انسان کبھی غصّے میں ہوتا ہے کبھی جذبات میں۔ لیکن اس طویل عرصے میں اپنے خادم کو اُف تک نہ کہنا، صرف جناب رسالتمآبؐ ہی کی شان ہے۔

احادیث کی کتب میں حضرت انسؓ کی زبانی ایک واقعہ ملتا ہے کہ ایک دفعہ رسولِ خداؐ نے مجھے کسی کام سے کہیں جانے کے لئے کہا۔ (میں ناسمجھ تھا)، کہا کہ نہیں جاؤں گا۔ یہ کورا سا جواب سن کر حضورؐ چپکے ہو رہے۔ میں یہ کہہ کر گھر سے باہر چلا گیا اور کھیل میں مشغول ہو گیا۔

ابھی تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ کسی نے مجھے پیچھے سے گردن سے پکڑ لیا۔ مڑ کر دیکھا تو جناب رسالتمآبؐ مسکرا رہے تھے۔ فرمایا "انس! کھیل کافی ہو چکا جو کام میں نے کہا تھا۔ جاؤ اب کر آؤ۔ چنانچہ میں گیا اور کام کر آیا۔

ذرا سوچنے کی بات ہے کہ کیا آج ہم اپنے ملازموں سے اس قدر تحمّل کے ساتھ پیش آتے ہیں؟ وہ ذرا سی دیر کر دیں تو ہماری پیشانی پر بل پڑ جاتے ہیں۔ اور غصّے سے پاگل ہو جاتے ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ اس معاملہ میں حضور سرورِ کونینؐ

۱۔ مسلم

کی مثال سے سبق سیکھیں اور اپنے خادموں اور ملازموں کو اپنی ہی طرح کا گوشت پوست کا انسان سمجھیں، جو دل رکھتے ہیں اور جذبات بھی۔ اور جن کی ضروریات اور خواہشات بالکل ہمارے جیسی ہی ہوتی ہیں۔

کنیزیں امّہات المؤمنین بنیں

غلاموں اور کنیزوں سے حسنِ سلوک کی اس سے بڑھ کر مثال کیا ہو سکتی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ کی ازواجِ مطہرات میں بھی تین آزاد کردہ کنیزیں حضرت جویریہؓ، حضرت ماریہ قبطیہؓ اور جناب صفیہؓ شامل تھیں۔

۱۔ امّ المؤمنین حضرت جویریہؓ:۔ زوجۂ رسولؐ، ام المؤمنین حضرت جویریہؓ قبیلہ بنی مصطلق کے سردار کی بیٹی تھیں۔ شادی شدہ تھیں کہ غزوہ مریسیع میں شوہر مارا گیا اور خود کنیز کی حیثیت سے مسلمانوں کے ہاتھ لگیں۔ مالِ غنیمت تقسیم ہؤا تو ثابت بن قیس انصاری کے حصّے میں آئیں۔ دل میں آزادی کی خواہش تھی مالک سے بات کی تو وہ نو اوقیہ سونے کے بدلے میں آزاد کرنے پر رضامند ہو گیا۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ اس قدر سونا کہاں سے آئے۔ حضرت جویریہؓ نے جناب رسالتمآبؐ کی شفقت و رحمت کے بے شمار قصّے سُن رکھے تھے، چنانچہ سیدھی دربارِ رسالت میں پہنچیں اور اپنی بپتا سُنا کر مدد چاہی۔ حضورؐ نے فرمایا کیا تمہیں اس سے بہتر کی خواہش نہیں۔ جویریہؓ نے عرض کی۔ یا رسول اللہؐ! وہ کیا۔ فرمایا "میں رقم بھی

ادا کروں اور تمہارے ساتھ نکاح بھی کر لوں" حضرت جویریہؓ کو بھلا اور کیا چاہیئے تھا۔ کہاں ایک کنیز تھیں اور کہاں اُمّ المومنینؓ زوجۂ رسولؐ ہونے کا شرف نصیب ہؤا۔ خوشی سے پھولے نہ سمائیں اور فوراً ہاں کر دی۔

اس نکاح کا ایک روشن پہلو ملاحظہ ہو کہ یہ بندھن بنو مصطلق کے غلاموں اور کنیزوں کے لئے پیغام رحمت ثابت ہؤا۔ صحابہؓ نے جب سُنا کہ یوں بنو مصطلق کی رسولِ خداؐ سے رشتہ داری ہو گئی ہے تو سبھی نے احتراماً اپنے اپنے حصّے کے غلاموں اور کنیزوں کو آزاد کر دیا۔ ایک اندازے کے مطابق یوں آزادی پانے والے افراد کی تعداد سات سو کے لگ بھگ تھی!

اُمّ المومنین حضرت ماریہ قبطیہؓ:۔ اسلام کا غلبہ بڑھا تو ہمسایہ حکمرانوں کو اپنی فکر پڑ گئی۔ ان میں مصر کے شاہ مقوقس بھی شامل تھے۔ چنانچہ خیرسگالی کے طور پر سنہ ۷ھ میں ماریہ قبطیہ نامی ایک کنیز اور بے شمار تحائف جناب رسالتمآبؐ کی خدمت میں روانہ کئے۔ ابھی راہ میں ہی تھیں کہ اسلام قبول کر لیا اور ایک صاحبِ ایمان خاتون کی حیثیت سے دربار رسالتؐ میں حاضر ہوئیں۔ حضور سرورِ کونینؐ نے انہیں ازواجِ مطہرات میں شامل کر لیا۔

جناب ماریہ قبطیہؓ سے آپؐ کی شفقت کا یہ عالم تھا کہ جناب عائشہؓ کو رشک پیدا ہو گیا۔ اور اس کا اظہار برملا فرمایا۔ حضورؐ کے صاحبزادے حضرت

۱۔ شبلی نعمانی۔ سیرۃ النبیؐ جلد دوم۔ ص۔ ۴۱۷

ابراہیمؓ آپ ہی کے بطن سے پیدا ہوئے۔ ۸ھ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔[1]

امّ المومنین حضرت صفیہؓ: اس صف میں حضور سرورِ کونینؐ کی تیسری زوجہ حضرت صفیہؓ ہیں۔ آپ قبیلہ بنو نظیر کے سردار کی صاحبزادی تھیں اور غزوۂ خیبر کے بعد حضورؐ کے نکاح میں آئیں۔

حضور سرورِ کونینؐ نے ساری عمر آپ کا بے حد خیال رکھا۔ ایک دفعہ سفر کے دوران اُن کا اونٹ بیمار ہوگیا، تو آپؐ نے اپنی دوسری زوجہ محترمہ جناب زینبؓ سے اونٹ ادھار لے کر انہیں دیا تاکہ سفر میں تکلیف نہ ہو۔

ایک دوسرے موقعہ پر جناب رسالتمآبؐ نے حضرت صفیہؓ کو بے حد پریشان دیکھا تو وجہ پوچھی۔ پتہ چلا کہ امہات المؤمنین حضرت عائشہؓ اور زینبؓ نے انہیں طعنہ دیا ہے کہ وہ ایک یہودی کی بیٹی ہونے کی وجہ سے ان کے برابر نہیں ہوسکتیں۔ آپؐ نے حضرت جویریہؓ کو تسلی دی اور فرمایا تمہیں جواب دینا چاہیئے تھا کہ ہارونؑ میرے باپ، موسیٰؑ میرے چچا اور محمدؐ میرے شوہر ہیں۔ اس لئے آپ مجھ سے افضل کیسے ہوسکتی ہیں۔[2]

غرض آپؐ نے اپنے عمل سے غلام اور آزاد کی تفریق ختم کردی۔ کنیزوں کو اپنے نکاح میں لے کر انہیں امہات المؤمنینؓ بنا دیا، اور وہ بھی اُمت کے لئے

۱۔ طبقات ابن سعد۔ 2۔ شبلی نعمانی سیرت النبی جلد دوم ص ۲۰۔۲۱۔۴۲۰

اتنی ہی قابلِ احترام پائیں جتنی کہ کوئی دوسری اعلیٰ نسب آزاد ازواج رسولؐ۔ آزاد و غلام اور حسب و نسب کی اس تفریق کو ختم کرنا حضور سرورِ کائناتؐ کا ہی حصّہ ہے۔

نوبت بہ ایں جا رسید[1] غلاموں اور کنیزوں کے بارے میں ان اقدامات اور تعلیمات کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ بے بس انسان بھی اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے شیر ہو گئے۔ اس سلسلہ میں احادیث کی کتب میں ایک واقع درج ہے۔ کہ

امّ المؤمنین حضرت عائشہؓ کی ایک لونڈی تھیں، بریدہؓ نام تھا۔ ایک غلام سے بیاہی ہوئی تھیں۔ آزاد ہوئیں تو اپنے شوہر کے ساتھ رہنے پر آمادہ نہ تھیں اور نکاح فسخ کر دیا۔ ان کے شوہر کو علیحدگی کا بڑا غم تھا۔ چنانچہ کچھ کھاتے تھے نہ پیتے۔ مسلسل آہ و زاری کرتے تھے۔ حضور سرورِ کونینؐ کو پتہ چلا تو بریدہؓ کو بلا بھیجا۔ فرمایا اگر شوہر سے علیحدگی اختیار نہ کرتیں تو اچھا تھا۔ عرض کی یا رسول اللہؐ! یہ مشورہ ہے یا حکم، آپؐ نے فرمایا، مشورہ۔ عرض کی یا رسول اللہؐ تو پھر میں یہ مشورہ قبول کرنے سے قاصر ہوں[2]۔

ملاحظہ ہو شہنشاہ کونینؐ کو ایک کنیز کس قدر بے باکی سے جواب دے رہی ہے۔ آپؐ کو قطعاً کوئی ملال نہ ہوا، ہوتا بھی کیوں! اس کنیز کو حقوق کا شعور

1۔ فارسی: ترجمہ: نوبت یہاں تک پہنچی

2۔ اسلام کا قانون ہے کہ اگر مالک نے لونڈی کا نکاح کسی غلام سے کر دیا ہو تو آزاد ہونے پر اسے حق حاصل ہے کہ خواہ نکاح کو برقرار رکھے یا فسخ کر دے یعنی توڑ دے (بخاری)

بخشنے والی ذات بھی تو رحمۃ للعالمینؐ ہی کی تھی۔

اور پھر دیکھنے والوں نے یہ بھی دیکھا کہ صحابی رسولؐ حضرت ابوذر غفاریؓ کو کہیں سے دو عمدہ قسم کی چادریں ملیں۔ تو ایک فوراً اپنے غلام کو دے دی۔ کسی نے دونوں کو ایک جیسی چادریں اوڑھے دیکھا تو تعجب کا اظہار کیا۔ جناب غفاریؓ نے فرمایا۔ اس میں حیران ہونے کی کون سی بات ہے۔ میں نے وہی کیا جس کا حکم سرکار دو جہاںؐ نے ہمیں دیا ہے۔

جنگی قیدیوں کی غیر مشروط رہائی

زمانۂ قدیم میں غلاموں کی ایک بڑی تعداد جنگی قیدیوں پر مشتمل ہوتی تھی۔ لڑائی میں پکڑے جانے والوں کو عام طور پر غلام بنا لیا جاتا تھا۔ خاندان، قبیلے والے اور کھاتے پیتے قیدی فدیہ ادا کر کے رہا ہو جاتے جبکہ تنہا اور مفلس لوگوں کا کوئی پرسانِ حال نہ ہوتا تھا اور وہ باقی عمر غلامی میں بسر کر دیتے تھے۔

اسلام سے قبل فدیہ کے بغیر قیدیوں کو چھوڑنے کا کوئی تصوّر نہیں بیکسوں کے والی، جناب رسالتمآبؐ نے جنگی قیدیوں کی بلا معاوضہ آزادی کے رواج کو فروغ دیا۔ اس سلسلہ میں جنگ حنین کے قیدیوں کی مثال دی جا سکتی ہے۔ دو مشرک قبائل ثقیف اور ہوازن وادیٔ حنین کے گرد و نواح میں آباد تھے۔ مسلمانوں کی مخالفت میں ہمیشہ پیش پیش رہے اور انہیں نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے، ۸ھ میں فتح مکہ کے بعد حضور

سرورِ کونین ؐ نے ان کے خلاف کارروائی کی۔ حنین کے معرکے میں ثقیف اور ہوازن کو شکست ہوئی بہت سارے مالِ غنیمت کے علاوہ چھ ہزار جنگی قیدی بھی مسلمانوں کے ہاتھ لگے، فدیہ ادا کرکے اتنی بڑی تعداد میں قیدیوں کی رہائی ایک مسئلہ تھی۔ دونوں قبائل کے سردار سرجوڑ کر بیٹھے کہ اپنے آدمیوں کی رہائی کی کوئی ترکیب سوچیں۔ فتح مکہ کی مثال ان کے سامنے تھی کہ حضور سرورِ کونین ؐ نے کس طرح کمال شفقت سے پرانے دشمنوں کو معاف کر دیا تھا۔ چنانچہ طے یہ پایا کہ ثقیف اور ہوازن کے سرداروں کا ایک وفد جناب رسالتمآب ؐ کے دربار میں حاضر ہوکر قیدیوں کی رہائی کے لئے درخواست کرے۔

چنانچہ چھ سرداروں کا ایک وفد رحمۃ للعالمین ؐ کے حضور پیش ہوا، عرض کی یا رسول اللہ ؐ ! حنین کی جنگ نے ہمیں لاچار کر دیا ہے۔ مال و اسباب سب ختم ہوگئے اور اب قیدیوں کی رہائی کے لئے کچھ بھی پیش نہیں کرسکتے، لہذا درخواست ہے کہ انہیں فی سبیل اللہ رہا فرمادیں۔

آپ ؐ نے یہ عرضداشت سُنی تو فرمایا۔ مجھے اپنے خاندان کے حصے کے قیدیوں پر اختیار ہے۔ لہذا اُن سب کو رہا کرتا ہوں۔

جہاں تک دوسرے قیدیوں کا تعلق ہے۔ اس سلسلے میں آپ ان کے آقاؤں سے براہِ راست بات کریں۔

جونہی صحابہؓ کو حضور ؐ کے فیصلے کا علم ہوا۔ سب نے اپنے اپنے حصے

کے قیدی بخوشی آزاد کردیئے۔ یوں دیکھتے ہی دیکھتے چھ ہزار انسانوں کے گلے سے غلامی کا طوق اتر گیا۔ تاریخ کی کتابوں میں درج ہے کہ کچھ صحابہ اپنی بعض معاشی مجبوریوں کی وجہ سے قیدیوں کو مفت میں چھوڑنے کے لئے آمادہ نہ ہوئے۔ ان کی نظر فدیے کی رقم پر تھی جس سے وہ کئی ضروریات پوری کرنے کے منصوبے بنا چکے تھے۔

حضور سرورِ کائنات ؐ کو علم ہوا۔ تو ان لوگوں سے چھ اونٹ فی کس کے حساب سے تمام قیدی خرید لئے اور پھر انہیں اللہ کی راہ میں آزاد کردیا۔

جنگی قیدیوں کے ساتھ اس قدر حسنِ سلوک کی مثال ہمیں تاریخ عالم میں ڈھونڈے سے نہیں ملے گی۔ زمانہ قدیم کا تو ذکر ہی کیا۔ ماضی قریب میں ہی جھانک کر دیکھ لیں۔ جنگی قیدیوں سے متعلق بے شمار المناک داستانیں سننے کو ملیں گی۔ روسی برفستان، سائبیریا میں قائم جنگی قیدیوں پر وہ مظالم توڑے گئے کہ داستانِ غم سنانے کے لئے کوئی بھی زندہ نہ بچا، جرمنی میں انہیں کارخانوں میں ایندھن کے طور پر استعمال کیا گیا۔ اسرائیل میں آج بھی ان کے جسموں سے پورا خون نچوڑ کر انسانی بے بسی کا تماشا دیکھا جاتا ہے، بھارت میں پاکستانی قیدیوں کے ساتھ ہونے والا سلوک تو ابھی کل کی بات ہے۔ ۱۹۷۱ء کے سانحہ مشرقی پاکستان میں پھنس جانے والے کسی قیدی سے پوچھ لیں، اس کی داستانِ غم ختم ہونے کو نہیں آئے گی۔[۱]

۱۔ سید اسعد گیلانی۔ رسول اکرم ؐ کی حکمتِ انقلاب۔ ص 519

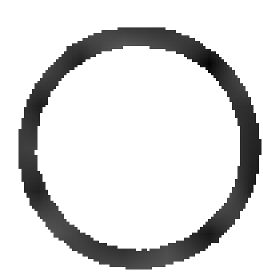
بلاشبہ کسی دوسرے مذہب میں قیدیوں کے لئے دینِ اسلام جیسی فراخی نہیں۔ اور بے کس انسان کے لئے یہ حسنِ سلوک حضور رحمۃ للعالمین کی تعلیمات کا نتیجہ ہے۔

اسلام نے تو انہیں حکومت اور حکمرانی بخشی۔ اس سلسلہ میں تاریخ میں دو بڑی واضح مثالیں ہیں۔ ہندوستان میں "خاندانِ غلاماں" کے تمام حکمران بنیادی طور پر غلام تھے اور مصر کے "مملوک" حکمران بھی غلاموں کی اولاد تھے۔


١٠٢

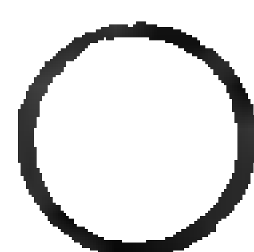
چوتھا باب

رسولِ رحمتؐ



اہلِ خانہ

کے لئے



رسولِ رحمتؐ

اہلِ خانہ کے لئے

تعارف: بڑے آدمیوں کی زندگی کا جائزہ لیں تو عام طور پر ان کی عوامی اور نجی زندگی میں واضح فرق محسوس ہوگا۔ گھر سے باہر اور گھر کے اندر طرزِ عمل میں زمین، آسمان کا فرق نظر آئے گا۔ باہر بڑی شان و شوکت ہے گھر میں داخل ہوتے ہی انتہائی پستی میں جاگریں گے۔ باہر نہایت متقی اور پرہیزگار نظر آتے ہیں، تو گھر میں سراسر گناہ کی پوٹلی۔ باہر سادگی اور انکساری کی اداکاری کریں گے اور گھر میں دنیا بھر کے تعیشات جمع کر رکھے ہیں۔ باہر مسکراہٹیں بکھیرتے پھرتے ہیں اور گھر والوں کے نصیب میں محض گھرکیاں ہی ہوتی ہیں۔ باہر لوگوں میں آزاد خیال بنتے نہیں تھکتے، مگر گھر میں انتہائی قیانوسی۔

یہ جائزہ کسی ایک شخص کا نہیں ہے۔ اس قسم کے بے شمار کردار ہمارے گردوگرد بکھرے پڑے ہیں۔ ان کا تعلق کسی خاص طبقہ، گروہ یا پیشہ سے نہیں۔ بلکہ ان میں ہر طبقے، گروہ اور پیشے سے تعلق رکھنے والے افراد مل جائیں گے۔ ان میں عوام کے غم میں ہلکان ہونے والے سیاست۔ ان میں

ہیں، اور پاکبازی کا لبادہ اوڑھے ہوئے، مذہبی اور روحانی پیشوا بھی، ان میں حق اور راستی کا درس دینے والے اساتذہ بھی ہیں اور آپ کی خدمت کا دعویٰ کرنے والے سماجی کارکن بھی۔

اس قسم کے دوہرے کردار کے مالک لوگ محض بہروپئے ہیں۔ بلکہ انہیں دھوکا باز کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ ان کی پبلک اداکاری معصوم لوگوں کو متاثر کرتی ہے۔ وُہ نقل کو اصل سمجھ بیٹھتے ہیں۔ ان کی باتوں کے فریب میں آکر وُہ سیدھے سادھے لوگ اپنا سب کچھ لٹا بیٹھتے ہیں۔ جب حقیقت کھلتی ہے تو بیچاروں کو بے حد مایوسی ہوتی ہے۔ رہنما اور رہزن کی تمیز نہیں رہتی۔ ایک بے اعتباری کا ساسماں پیدا ہو جاتا ہے۔ کسی اور پہ اعتبار تو دُور کی بات۔ لوگ اپنے سایے کو بھی شک و شبہے کی نظر سے دیکھنے لگتے ہیں، بے شک بے اعتباری کی یہ کیفیّت معاشرے کے لئے زہر قاتل کے برابر ہے۔

شاید یہی وجہ ہے کہ دنیا کے سیانوں نے یہ قول گھڑ لیا کہ "کوئی شخص قریبی لوگوں کی نظر میں ہیرو نہیں ہوتا"

مگر استثنا ہر جگہ ہوتا ہے۔ ممکن ہے یہ قول سبھی پہ صادق آجا لیکن حضور سرورِ کائنات حضرت محمدؐ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی ذاتِ اقد اس کے دائرے سے باہر ہے۔ آپؐ کی ذات مبارک کو جس نے جتنے قریب سے دیکھا، اتنا ہی زیادہ گرویدہ ہوا۔ ظاہر ایک، باطن ایک، جو گم

کے اندر وہی باہر، محال ہے کہ ذرہ بھر بھی فرق آجائے

رسولِ خداؐ گھر میں:۔ ام المؤمنین، حضرت عائشہؓ سے کسی نے پوچھا کہ رسولِ خداؐ اپنے گھر کیا کیا کرتے تھے۔ فرمایا آپؐ آدمیوں میں سے ایک آدمی تھے اور طرزِ عمل ایک عام شخص جیسا ہی ہوتا تھا۔ اپنے کپڑوں کی دیکھ بھال خود فرماتے۔ اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرتے، جوتے پھٹ جاتے تو خود ہی سی لیتے تھے۔ پانی کا ڈول ٹپکنے لگتا، تو اس کی مرمت فرما لیتے۔ بوجھ اٹھاتے۔ جانوروں کا دودھ نکالتے اور انہیں چارہ ڈالتے۔ آٹا پیس لیتے، سودا لانے کے لئے بازار جانے میں عار نہیں تھی۔ ضرورت کی چیزیں گٹھڑی کی شکل میں باندھ لیتے اور خود اٹھا کر گھر لاتے تھے۔ اپنے گھر کے علاوہ دوسروں کا کام بھی کر دیتے تھے۔ کوئی مشقت کا کام ہوتا، تو کسی خادم کو شامل کر لیتے۔ لیکن عام طور پر اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرتے تھے۔

حضورؐ جیسی نیک اور پاکباز ہستی دنیا میں آج تک پیدا ہوئی ہے، اور نہ قیامت تک پیدا ہوگی۔ آپؐ کا ہر سانس عبادت اور ہر لمحہ ریاضت تھا۔ لیکن آپؐ زاہد خشک ہرگز نہ تھے۔ چہرۂ مبارک پر ہر وقت مسکراہٹ پھیلی رہتی۔ طبیعت میں بشاشت تھی۔ گھر کا ماحول عام گھروں جیسا تھا۔ جہاں خوشیاں بھی تھیں، جذبات بھی، بحث مباحث کے مواقع بھی آتے اور گلے شکوے

بھی ہوتے تھے۔ لیکن ایک چیز کا خیال رہے کہ اس گھر میں گناہ کا وجود سرے سے نہیں تھا۔

نمونے کا گھر:- خانۂ رسولؐ میں ہونے والی ایک ایک بات، بے حکمتوں کا خزینہ ہے۔ اس میں امت کے لیئے رہنمائی ہے۔ خود عمل کر کے بتایا کہ ہم اپنے گھروں میں کیسے رہیں۔ بیویوں سے کیسا سلوک کریں۔ بچوں کے ساتھ شفقت کا کیا انداز ہو۔ عزیزوں، رشتہ دارو کے حقوق کا خیال کیسے رکھا جائے اور ملنے والوں کے ساتھ کیسا رویہ ہونا چاہیئے۔ پیارے نبیؐ کے گھر کا ایک ایک لمحہ ہمارے گھ کے لئے روشنی کا مینار ہے،

خاندان کا وجود گھر سے اور معاشرے کا خاندان کے دم سے اچھے گھر اچھے خاندان بناتے ہیں اور اچھے خاندانوں سے اچھا معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔ اسلامی معاشرے کے حسن کی بنیاد اُس نیک تربیت پر ہے جو ایک مسلمان کو اپنے گھر سے ملتی ہے، یہ ہماری خوش بختی ہے ہمارے لئے اچھے گھر کا ماڈل آج سے چودہ سو سال قبل تیار ہو گیا اب ہمیں یہ کوشش کرنا ہے کہ اپنے گھروں کو اس گھر یعنی خانۂ رسو کے نمونہ کے مطابق چلائیں۔ اس میں ہماری اُخروی نجات ہی نہیں دنیوی بہتری بھی ہے۔

<u>مغرب کی بدحالی کی وجہ</u>:۔ مغرب کے پاس ایسا کوئی ماڈل نہیں تھا۔ بیچارے اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہے۔ ترقی پسندی کے زعم میں، چار دیواری کی حرمت کو بھلا دیا۔ خاندان ٹوٹا، پورا معاشرہ بگاڑ کا شکار ہوگیا، چھوٹوں پہ شفقت نہ رہی۔ بڑوں کی عزت نہ رہی، عورت، عورت نہ رہی، جنسِ بازار ہو گئی۔ مرد اپنے فرائض بھلا بیٹھا، خاندان کا محافظ بننے کی بجائے، محض تماشائی بن گیا۔ اُلٹی باڑ ہی باغیچے کو کھانے لگی،

گھر کی مقدس پناہ گاہ ختم ہوئی، تو کلب، ہوٹل اور جوئے خانے آباد ہو گئے۔ بچوں کا کوئی پُرسانِ حال نہ رہا، توجس کا جدھر مُنہ اُٹھا، نکل گیا، نَو، نَو۔ دَس، دَس سال کے بچّوں نے وُہ چاند چڑھائے کہ حیا مُنہ چھپاتی پھرتی ہے۔ میاں بیوی کا مقدس رشتہ کھیل بن کر رہ گیا۔ طلاق کی وُہ بھرمار کہ پانچ میں سے چار شادیاں علیحدگی پر منتج ہوتی ہیں۔ اس بگاڑ سے سب سے زیادہ متاثر عمر رسیدہ افراد ہوئے۔ گھر میں کوئی خبرگیری والا نہ رہا تو "بوڑھوں کے ہوسٹل"[1] سدھارے۔ جہاں وہ سرکار کے سہارے دن گذارتے ہیں۔ مرتے ہیں تو کفن دفن کا انتظام بھی حکومت ہی کر دیتی ہے۔ اپنی اولاد کے لیئے

1- OLDAGE HOMES.

اُن کی حیثیت دُودھ کے اُس خالی ڈبے سے زیادہ نہیں ہوتی جسے اُٹھا کر کوڑے کے ڈھیر پر پھینک دیا جاتا ہے۔

مغرب کے اس سماجی عذاب سے محفوظ رہنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ہم اسلامی اقدار اور پیغمبرِ اسلامؐ کی تعلیمات کو اپنائیں۔ نام نہاد ترقی پسندی کے فیشن سے بچیں۔ یقین جانیئے صرف اسی قلعے کے اندر ہی ہم محفوظ و مصؤن رہ سکتے ہیں۔

اب ذرا اصل موضوع کی طرف آیئے، حضور سرورِ کائناتؐ اپنے اہلِ خانہ کے لئے بے حد مشفق، مہربان اور ہمدرد تھے، ام المومنین حضرت عائشہؓ سے کسی نے پوچھا کہ رسولِ خداؐ گھر میں کیسے ہوتے تھے. فرمایا

"اِلَيْنَ النَّاسَ بَسَّامًا ضَاحِكًا"

ترجمہ:۔ وہ ہم لوگوں کے ساتھ ہمیشہ خوش دلی سے پیش آتے تھے۔

صیحح مسلم میں ہے. کہ

"رسولِ خُداؐ سے بڑھ کر کوئی بھی اپنے اہل وعیال کیلئے شفیق نہ تھا"

حضرت انسؓ سات برس تک جناب رسالتمآبؐ کی خدمت میں رہے، اُن کا بیان ہے کہ میں نے کسی کو اپنے گھر والوں کے ساتھ حضورؐ جتنی محبت کرتے ہوئے نہیں دیکھا،

۱۔ مسلم

اس باب کو درج ذیل عنوانات کے تحت بیان کیا جائے گا۔

۱۔ ازواج مطہرات[1] کے ساتھ معاشرت۔

2۔ اولا[redacted] کے ساتھ معاشرت۔

[redacted] نواسوں سے لگاؤ۔

4۔ دیگر رشتہ داروں کے ساتھ معاشرت۔

1۔ ازواجِ مطہرات کے ساتھ معاشرت

حضور سرورِ کونینؐ کو ازواجِ مطہرات سے بے حد محبت تھی۔ ان کے پاس بیٹھتے۔ اکٹھے مل کر کھاتے، ہنسی مذاق کی باتیں کرتے۔ اُن کی سُنتے، اپنی سُناتے، کسی کو کوئی شکایت ہوتی، تو رفع فرماتے۔ ان کے نان و نفقہ کا بندوبست کرتے اور اس سلسلے میں حضرت بلالؓ کو ذمہ داری سونپ رکھی تھی۔

سفر میں ازواج مطہرات ہمراہ ہوتیں تو بہت خیال رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ ہمراہ تھیں۔ سورج غروب ہونے کو آیا، تو ساربان نے اونٹ تیز ہانکنے شروع کردیئے۔ فرمایا۔

"احتیاط کرو۔ دیکھنا، یہ آبگینے ہیں۔ کہیں ٹھیس نہ لگ جائے"[2]

1۔ ازواج مطہرات یعنی پاک بیویاں۔ یہ خطاب بھی جناب رسالتمآبؐ کی بیویوں کے لئے مخصوص ہے۔

2۔ بخاری۔

ازواج مطہرات میں ہر مزاج اور طبیعت کی خواتین تھیں۔ باہمی رنجشیں بھی ہوتیں اور رشک کے مواقع بھی آتے۔ جناب رسالتمآبؐ ان کی شکائتیں ٹھنڈے دِل سے سُنتے اور دلائل سے اُن کی تسلّی فرماتے۔ اس معاملے میں سبھی کو اظہارِ جذبات کی آزادی تھی۔ کسی کی آواز کو بھی سختی سے نہ دبایا بلکہ تحمّل اور بردباری سے غلط فہمیوں کا ازالہ فرمایا۔

مثال کے طور پر ایک مرتبہ ازواج مطہراتؓ کو شک گذرا کہ حضور سرورِ کونینؐ حضرت عائشہؓ کی جانب زیادہ راغب ہیں۔ سبھی نے مشورہ کیا اور جناب زینبؓ کو حضورؐ کی خدمت میں شکوہ کے لئے بھیجا۔ آپؐ نے نہایت تحمّل سے شکایت سُنی اور سب نکات کے مدلّل جواب دیئے۔

حضرت زینبؓ مطمئن لوٹیں۔ اور جب ازواج مطہرات نے جذبات سے ہٹ کر غور کیا تو بھید کھُلا کہ ان کی شکایت سرے سے ہی بے بنیاد تھی۔[۱]

جناب رسالتمآبؐ کی عائلی زندگی امت کے لئے نمونے کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپؐ کو دنیوی بکھیڑوں کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ مگر آپؐ ان ساری منزلوں سے خود اس لئے گذرے تاکہ اُمّت کے لئے مکمل رہنمائی کا سامان ہو جائے۔ کہیں شک و شبہ نہ رہے۔ سب کو پتہ چل جائے کہ گھر کے اندر کیسے رہا جاتا ہے۔ بیوی اور بچّوں کے کیا حقوق ہیں۔

۱۔ بخاری۔

سے زائد بیویاں ہوں، تو ان کے درمیان عدل کیسے قائم کیا جاتا ہے۔

ازواجِ مطہرات:۔ مختلف اوقات میں گیارہ خواتین حضور سرورِ کونین کے نکاح میں رہیں۔ پہلا نکاح پچیس برس کی عمر میں حضرت خدیجہؓ سے کیا۔ آپؐ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؑ کے علاوہ

۱۔ **اسلام کے دشمنوں کا ایک اعتراض:۔** اسلام کے بعض دشمن، حضور سرورِ کونینؐ کی بیویوں کی تعداد پر اعتراض کرتے ہیں۔ لیکن وُہ یہ بھول جاتے ہیں کہ نبی کوئی کام بھی اللہ کے حکم کے بغیر انجام نہیں دیتے۔ حضورؐ کی شادیاں بھی اللہ کے حکم سے تھیں اور ان میں بے پناہ حکمت پوشیدہ ہے دنیاداری کے اعتبار سے دیکھا جائے تو لوگ عام طور پر جوانی میں زیادہ شادیاں کرتے ہیں، لیکن آپؐ نے ساری جوانی ایک ہی بیوی (حضرت خدیجہؓ) کے ساتھ بسر کردی۔ اور بیوی بھی وُہ جو عمر میں آپؐ سے پندرہ سال بڑی تھی، بیوہ تھی اور پہلے شوہر سے اولاد بھی رکھتی تھی۔ پچیس سال کی رفاقت کے بعد ۱۰ نبوی میں حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہُوا تو آنحضرتؐ کی عمر مبارک پچاس برس ہو چکی تھی اور چار بیٹیوں کے باپ تھے۔ بیٹیوں کی حفاظت اور پرورش کے لئے کسی خاتون کی ضرورت تھی۔ تو جناب رسالتمآبؐ نے ایک پچاس سال کی بیوہ، حضرت سودہؓ سے نکاح کر لیا۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ حضرت عائشہؓ اور ماریہ قبطیہؓ کے علاوہ تمام ازواج مطہرات بیوہ تھیں۔ حضرت عائشہؓ بے حد عالم و فاضل خاتون تھیں۔ عربی زبان اور ادب پر عبور تھا۔ شادی کے وقت کم سن تھیں اور حضورؐ کی رحلت کے بعد لمبا عرصہ زندہ رہیں۔ آپ، حضور سرورِ کونینؐ کی دو ہزار دو سو دس احادیث کی راوی ہیں۔ حضورؐ کے بعد صحابہ آپ ہی سے رہنمائی حاصل کرتے تھے۔ تو گویا حضرت عائشہ سے نکاح میں مصلحت احادیث کے خزانے کا تحفظ تھا۔ ان کے علاوہ حضرت حفصہؓ۔ حضرت ام سلمہؓ۔ حضرت جویریہؓ۔ حضرت صفیہؓ۔ حضرت ام حبیبہؓ۔ حضرت میمونہؓ اور حضرت ریحانہؓ بھی حضورؐ کے نکاح میں رہیں۔ یہ تمام خواتین بیوہ تھیں۔ حضرت جویریہؓ اور حضرت صفیہؓ تو جنگی قیدی کی حیثیت سے مسلمانوں کے قبضے میں آئیں۔ اور حضورؐ کے نکاح میں آنے پر اپنے قبائل کے لئے وسیلۂ رحمت بنیں۔ اور ان کے قبائل کے قیدیوں کو رہائی حاصل ہو گئی۔ باقی امہات المؤمنین کی اسلام کے لئے بے پناہ خدمات تھیں۔ اور بیوگی کے عالم میں انہیں سہارے کی ضرورت تھی۔ حضورؐ نے ان کی اسلامی خدمات کے صلے میں ان کی دستگیری فرمائی۔ حضرت زینبؓ بنت جحش سے جناب رسالتمآبؐ کا نکاح ایک سماجی بدعت کے خاتمے کا بھی سبب بنا۔ واقعہ یوں ہے کہ حضرت زینبؓ کا پہلا نکاح حضورؐ نے منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثؓ سے کیا تھا۔ دونوں میں علیحدگی ہو گئی۔ تو آنحضرتؐ نے اللہ کے حکم سے ان کے ساتھ شادی کرلی۔ دراصل اسلام سے قبل منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹے کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ اور جو حرمتیں سگے بیٹے سے متعلق ہوتی تھیں، وہی منہ بولے بیٹے سے بھی وابستہ کرلی جاتی تھیں۔ اسلام کا قانون اس کے برعکس ہے۔ چنانچہ رسول خداؐ نے یہ نکاح کرکے زمانۂ جاہلیت کے اس عقیدے کو ہمیشہ کے لئے دفن کر دیا اور یوں اس سلسلے میں تمام شکوک وشبہات دُور ہو گئے۔ غرض حیاتِ اقدس کے دیگر پہلوؤں کی طرح حضور سرورِ کائنات کی عائلی زندگی بھی کامل طور پر اللہ کے احکام کے تابع تھی۔ اور بے پناہ حکمتوں سے لبریز ہے۔

ساری اولاد جناب خدیجہؓ کے بطن سے ہوئی۔ اُن کے ساتھ پچیس برس کی رفاقت رہی اور اس دوران دوسری شادی نہیں کی۔

اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہؓ:۔ اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہؓ سے محبت اور لگاؤ کا یہ عالم تھا کہ ان کی وفات پر لمبا سوگ منایا اور اس سال کو "عام الحزن" یعنی غم کا سال" کے نام سے یاد کیا۔ ان کی وفات کے بعد یہ عالم تھا کہ گھر میں کوئی اچھی چیز پکتی یا بکری وغیرہ ذبح کی جاتی، تو ایک معقول حصّہ تحفہ کے طور پر حضرت خدیجہؓ کی سہیلیوں کے ہاں بھجواتے۔

حضرت خدیجہؓ کی ایک بہن تھیں۔ ہالہ نام تھا۔ اُن کی آواز حضرت خدیجہؓ سے بہت ملتی تھی۔ بہن کی وفات کے کئی سال بعد حضورؐ کے گھر آئیں۔ تو دروازے پر کھڑے ہوکر اندر آنے کی اجازت مانگی۔ حضور سرورِ کونینؐ نے آواز سُنی۔ تو پہچان لیا کہ یہ تو ہالہ ہے۔ خدیجہؓ کی بہن، بے تاب ہوگئے فوراً اُٹھے اور مہمان خاتون کو بصد احترام اندر لائے۔

اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہؓ سے حضورؐ کی بے پناہ محبّت کا اندازہ ایک اور واقعہ سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔ قصّہ کچھ یُوں ہے کہ رسولِ خداؐ اور حضرت خدیجہؓ کی بڑی صاحبزادی حضرت زینبؓ کی شادی ہوئی تو جہیز میں اور چیزوں کے علاوہ عقیق کا ایک ہار بھی تھا۔ یمن کا بنا ہوُا یہ زیور ایک عرصے تک حضرت خدیجہؓ کے استعمال میں رہا۔ بیٹی کی شادی ہوئی تو

بطورِ تحفہ دے دیا۔

حضور نبی اکرمؐ نے نبوّت کا اعلان کیا، تو حضرت زینبؓ اسلام لے آئیں مگر ان کے شوہر ابوالعاص بدستور مشرک رہے۔ ابوالعاص نے غزوہ بدر میں کفار کی طرف سے حصّہ لیا اور قید ہوئے اس زمانے کے دستور کے مطابق رہائی کے لئے فدیہ کی ضرورت تھی۔ ان کی گرفتاری کی اطلاع مکّہ پہنچی تو حضرت زینبؓ نے اپنے دیور کو وہ یمنی ہار دے کر مدینہ روانہ کیا تاکہ فدیے میں دے کر ان کے شوہر کو رہا کروا لائے۔

ہار جناب رسالتمآبؐ کی خدمت میں پیش کیا گیا، تو فوراً پہچان لیا۔ مرحوم بیوی حضرت خدیجہؓ کی یاد تازہ ہوگئی، بے حد افسردہ ہو گئے۔ صحابہؓ سے فرمایا۔ یہ ہار زینبؓ کی ماں کی نشانی ہے۔ اگر مناسب سمجھو تو اسے لئے بغیر ابوالعاص کو رہا کر دو۔ صحابہ کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ انہوں نے فوری تعمیل کی۔ بعد میں ابوالعاص نے اسلام قبول کر لیا۔

<u>امّ المؤمنین حضرت عائشہؓ</u>:۔ جنابؐ عائشہؓ کے ساتھ ایک ہی برتن میں کھاتے۔ انہیں کے پیالے سے پانی پیتے۔ اُن کی سہیلیوں کو خاص طور پر بلواتے تاکہ ان کا دل اداس نہ ہو۔[1]

ایک[2] دفعہ آپؐ حضرت عائشہ کے پاس تشریف فرما تھے کہ گلی سے بچوں کا

1۔ مسلم 2۔ مسلم

شور سنائی دیا۔ حضورؐ نے اُٹھ کر دیکھا کہ ایک حبشن گا رہی ہے اور بچے دائرہ باندھے کھڑے ہیں۔ جناب رسالتمآبؐ نے حضرت عائشہ سے فرمایا آؤ تم بھی دیکھ لو۔ جناب عائشہؓ آئیں اور حضورؐ کے کندھے پر ٹھوڑی ٹیک کر کھڑی ہو گئیں۔ یوں آڑ سے تماشہ دیکھتی رہیں۔ تھوڑی دیر بعد آپؐ نے پوچھا۔ عائشہؓ! جی بھر گیا، عرض کی یا رسول اللہؐ! ابھی نہیں۔ آپؐ نے کئی مرتبہ دریافت فرمایا اور بالآخر جب جناب عائشہ نے خود کہا تو حضورؐ اندر تشریف لائے۔

اسی طرح ایک دفعہ عید کے موقعہ پر دو لڑکیاں حضرت عائشہؓ کے پاس بیٹھی بعاث کا گیت گا رہی تھیں۔[1] حضورؐ بھی تشریف فرما تھے۔ اتنے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ آ گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے سُنا تو ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ اور کہا یہ شیطان کے باجے ہیں۔ جناب رسالتمآبؐ نے کوئی توجہ نہ فرمائی۔ حضرت ابوبکرؓ نے دوبارہ یہی جملہ دہرایا تو فرمایا۔

ابوبکرؓ! انہیں گانے دو۔ کچھ مت کہو۔ ہر قوم کا کوئی نہ کوئی خوشی کا دن ہوتا ہے۔ اور آج کا دن ان کے لئے عید ہے۔[2]

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ کے ہمراہ سیر کے لئے باہر نکلے تو فرمایا۔ عائشہؓ

1۔ یہ گیت انصار نے جنگ بعاث کے موقعہ پر جوڑا تھا۔ یہ لڑائی ہجرت سے تین سال قبل مشہور انصاری قبیلوں اوس اور خزرج میں ہوئی تھی۔
2۔ بخاری و مسلم

آؤ تیز چلنے کا مقابلہ کرتے ہیں۔ دیکھیں کون جیتیا ہے۔ جناب عائشہؓ نسبتاً جوان اور دُبلی پتلی تھیں۔ آگے نکل گیئں۔ اس کے کئی سال بعد پھر ایسے ہی سیر کرتے کرتے فرمایا: چلو آج پھر مقابلہ ہو جائے۔ اب حضرت عائشہؓ کی صحت پہلے جتنی اچھی نہ تھی۔ چنانچہ پیچھے رہ گیئں۔ حضورؐ نے فرمایا، اُس دن کا حساب برابر ہو گیا[3]

امّ المؤمنین حضرت صفیہؓ:۔ آپ ایک یہودی سردار کی بیٹی تھیں۔ قبول اسلام کے بعد حضورؐ کے نکاح میں آئیں۔ آپؐ ان کا بہت خیال رکھتے تھے۔ اونٹ پر سوار کرانے کے لئے اپنا گھٹنا آگے بڑھا دیتے اور جناب صفیہؓ اس پر پاؤں رکھ کر سوار ہو جاتیں۔ ایک مرتبہ حضورؐ کے ہمراہ سوار جا رہی تھیں کہ اُونٹ کا پاؤں پھسل گیا۔ حضورؐ اور جناب صفیہؓ زمین پر آ رہے۔ ابوطلحہؓ ہمراہ تھے۔ بھاگ کر آئے تو جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا، میری فکر نہ کرو۔ میں ٹھیک ہوں، جلدی سے صفیہؓ کو دیکھو (کہیں چوٹ تو نہیں آگئی)۔

ایک بار دورانِ سفر جناب صفیہؓ کا اونٹ بیمار پڑ گیا۔ اور ازواج مطہرات بھی ہمراہ تھیں، حضرت زینبؓ کے پاس فالتو اونٹ تھا۔ آپؐ نے ان سے حضرت صفیہؓ کی سواری کا بندوبست کرنے کو کہا، حضرت زینبؓ نے انکار کیا، تو حضورؐ نے شدید ناراضگی کا اظہار فرمایا۔

3۔ ابو داؤد۔

اسی طرح ایک اور موقع پہ امہات المومنین عائشہؓ اور زینبؓ نے حضرت صفیہؓ کو چڑایا کہ تم ہمارے برابر کیسے ہو سکتی ہو۔ ہم رسول خداؐ کی بیویاں ہی نہیں، قریبی رشتے دار بھی ہیں، حضرت صفیہؓ رونے لگیں۔ حضورؐ کو پتہ چلا تو فرمایا کہ اگر آئندہ ایسی نوبت آئے تو اُن سے کہنا کہ تم مجھ سے افضل نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ ہارونؑ میرے باپ، موسیٰؑ میرے چچا اور محمدؐ میرے شوہر ہیں[1]۔

خوش وخرم گھرانہ، خوشگوار فضا

خزیرہ کی لیپ: جناب رسالتمآبؐ کے گھر کی فضا ہلکی پھلکی ہوتی تھی جس میں ہنسی مزاح کے مواقع بھی آتے رہتے تھے۔

مثال کے طور پہ ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے خزیرہ تیار کیا۔ یہ عربوں کی مرغوب ڈش[2] تھی۔ گوشت کے قیمے کو پانی میں ابالنے کے بعد اس پر آٹا چھڑکا جاتا اور پھر آگ پہ پکایا جاتا تھا۔ کھانا چُنا جا چکا تو حضرت عائشہؓ نے زوجۂ رسولؐ حضرت سودہؓ کو بھی دعوت دی، انہوں نے انکار کر دیا حضرت عائشہؓ نے دوبارہ کہا، جناب سودہؓ نہ مانیں۔ تیسری دفعہ حضرت عائشہؓ نے اصرار سے کہا کہ آپ کو کھانا ہوگا۔ حضرت سودہؓ نے اس

---

1. ترمذی   DISH - 2

مرتبہ بھی انکار کردیا۔ تو عائشہؓ نے شوخی سے کہا کہ اگر اس دفعہ انکار کیا تو خزیرہ تمہارے منہ پر مل دوں گی۔ حضرت سودہؓ ڈٹی رہیں تو حضرت عائشہؓ نے خزیرہ ہاتھ پر ڈالا اور سچ مچ جناب سودہؓ کے منہ پر مل دیا۔

اس بے تکلفی پر حضورؐ خوب ہنسے اور حضرت سودہؓ کو کہا کہ تم ایسی ہی لیپ عائشہؓ کے منہ پر کرو تاکہ حساب برابر ہو جائے۔ حضرت سودہؓ نے تعمیل کی اور خزیرہ جناب عائشہؓ کے منہ پر لیپ کردیا۔ دونوں بیبیوں کی اس نوک جھونک سے حضورؐ بہت محظوظ ہوئے[1]۔

ایک تیکھا انداز:۔ جناب سرورِ کونینؐ خود بھی ازواجِ مطہرات سے ہنسی مذاق فرماتے۔ ایک دفعہ حضرت ابوبکر صدیقؓ خانۂ رسولؐ میں موجود تھے کہ حضرت عائشہؓ نے حضورؐ کے ساتھ شوخی سے بات کی۔ حضرت ابوبکرؓ کو بیٹی کی یہ حرکت اچھی نہ لگی۔ سخت غصّے میں آگئے اور مارنے کو اٹھے۔ جناب رسالتمآبؐ نے معاملے کو سنبھالا۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا غصّہ ٹھنڈا کیا۔

حضرت ابوبکرؓ کے جانے کے بعد آپؐ نے جناب عائشہ کو مخاطب کیا اور بڑے تیکھے انداز میں فرمایا۔

دیکھا: ہم نے تمہیں اس شخص سے کیسے بچا لیا[2]"

۱: نقوش، سیرت نمبر جلد دوم۔ ص ۳۱ ■۔ ابوداؤد

اُمِّ زرع کی کہانی:۔ حضور سرورِ کونینؐ کے گھر میں روزمرّہ موضوعات پر بھی باتیں ہوتیں۔ کبھی کوئی گھر کا مسئلہ زیرِبحث آتا، تو کبھی مسلمانوں کے عام مسائل پر گفتگو ہوتی۔ جنابِ رسالتمآبؐ تمام معاملات میں سرگرمی سے حصّہ لیتے اور بعض دفعہ تو امہات المؤمنینؓ کو کہانیاں بھی سنا دیتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عائشہؓ کی فرمائش پر اُمِّ زرع کی کہانی سنائی۔ یہ عربی ادب کا مشہور قصّہ ہے۔

کہانی کچھ یُوں ہے کہ گیارہ سہیلیوں کا آپس میں گہرا پیار تھا۔ اکثر اکٹھی بیٹھتیں اور گپ لگاتیں۔ ایک روز کوئی اور موضوع نہ ملا تو سب نے اپنے اپنے شوہروں پر تبصرے کئے۔ اُمِّ زرع نامی خاتون نے اپنے شوہر ابو زرع کا کردار اس قدر خوبصورت انداز میں پیش کیا کہ سب سہیلیاں اس پر رشک کرنے لگیں۔

کہانی سنانے کے بعد رسولِ خداؐ نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کیا میں بھی تمہارے لئے ایسا ہی نہیں ہوں جیساکہ ابوزرع، اُمِّ زرع کے لئے تھا، حضرت عائشہؓ نے تصدیق کی اور کہا یا رسول اللہؐ! اس سے بھی اچھا کہیئے۔

خرافہ کا قصّہ:۔ ایک دوسرے موقع پر حضور سرورِ عالمؐ نے ازواجِ مطہرات کو ایک اور قصّہ سنایا۔ تو ایک بی بی نے کہا کہ یہ کہانی تو خرافہ کے قصّوں جیسی ہے۔ اس پر حضورؐ نے پوچھا، کیا آپ کو

خزانہ کے بارے میں کچھ پتہ ہے ۔ خواتین نے نفی میں جواب دیا ۔۔
توآپؐ نے بتایاکہ وُہ دراصل بنوعذرہ کا ایک آدمی تھا۔اتفاق سے
جنوں کے ہتھے چڑھ گیا اور لمبے عرصے تک ان کے ساتھ رہا۔ پھر جن
اُسے واپس چھوڑ گئے ۔ اور اس نے لوگوں کو جنوں کے بارے میں
عجیب وغریب کہانیاں سنائیں !

2- اولاد کے ساتھ معاشرت

رسولِ خُدا حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو اپنی اولاد سے بھی بے پناہ محبّت تھی.

حضرت زینبؓ :۔ آپ رسولِ خداؐ کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں ۔ ابھی چھوٹی ہی تھیں کہ اپنے خالہ زاد بھائی ابو العاص سے بیاہی گئیں ۔ حضورؐ نے اعلانِ نبوت فرمایا تو اپنی والدہ حضرت خدیجہؓ کے ہمراہ اسلام لے آئیں ، مگر ان کے شوہر مسلمان نہ ہوئے ۔

ہجرت کے بعد حضورؐ اور بہت سے دوسرے مسلمان مدینہ چلے گئے.

حضرت زینبؓ اپنے شوہر کے ساتھ مکہ میں مقیم رہیں ۔ ابوالعاص نے کفارِ مکہ کی طرف سے غزوۂ بدر میں حصّہ لیا اور گرفتار کرلئے گئے.

ان کی گرفتاری کی اطلاع مکے پہنچی تو حضرت زینبؓ نے اپنے دیور کے ہاتھ اپنے جہیز کا ہار بھیجا تاکہ فدیے میں دے کر ان کے شوہر کو رہا کروا لائے۔

ہار جناب رسالتمآبؐ کی خدمت میں پیش کیا گیا، تو فوراً پہچان لیا کہ یہ تو خدیجہؓ کی نشانی ہے۔ جو انہوں نے اپنی پیاری بیٹی کو جہیز میں دیا تھا دونوں عزیز ہستیوں کی یاد نے آپؐ کو افسردہ کر دیا۔ صحابہ سے فرمایا۔ یہ ہار زینبؓ کی ماں کی نشانی ہے۔ اگر مناسب سمجھو تو اسے قبول لئے بغیر ہی ابو العاص کو رہا کر دو، صحابہؓ کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ حکم کی فوراً تعمیل ہوئی اور ہار حضرت زینبؓ کو واپس کر دیا گیا۔

ابو العاص کو رہائی ملی تو آپؐ نے اس سے وعدہ لیا کہ وہ جاتے ہی حضرت زینبؓ کو مدینہ روانہ کر دے گا۔ ابو العاص مان گیا۔ چنانچہ مکے پہنچ کر اس نے پہلا کام یہ کیا کہ حضرت زینبؓ کو اپنے بھائی کے ہمراہ چپکے سے مدینہ روانہ کر دیا۔ کفار مکہ کو پتہ چلا تو سخت طیش میں آ گئے کچھ لوگ رسول اللہؐ کی بیٹی کی تلاش میں نکلے، اور جلد ہی انہیں آن لیا۔

ہبّار ابن اسود نامی ایک مشرک نے آگے بڑھ کر حملہ کیا تو جناب زینبؓ اونٹ سے نیچے گر پڑیں۔ سخت چوٹ آئی۔ جسم کے اندر سے خون آنے لگا بعد میں چھپتے چھپاتے مدینے پہنچ گئیں۔ کچھ عرصے میں ظاہری زخم

ٹھیک ہو گئے۔ لیکن داخلی چوٹ یعنی کی توں رہی۔ اور اسی تکلیف سے
۸ ھ میں وفات پائی۔ یوں حضرت زینبؓ کو شہادت کا درجہ نصیب ہوا۔
جناب سرورِ کونینؐ کی ہدایت کے مطابق ازواجِ مطہرات نے میت کو
غسل دیا۔ قبر تیار ہو گئی تو پیاری بیٹی کو اپنے ہاتھوں لحد میں اتارا۔ اور
اللہ کے حضور دعا کی "یا باری تعالیٰ : زینبؓ کی مشکلات کو آسان کر دے
اور اس کی قبر کی تنگی کو کشادگی میں بدل دے"۔ قبرستان سے لوٹے تو بیحد
مغموم تھے۔ فرمایا۔ میری پیاری بیٹی نے میری خاطر بہت اذیتیں برداشت
کیں۔ اللہ اس کا حامی و ناصر ہو۔

حضرت زینبؓ کی بیٹی امامہؓ سے بھی بہت پیار تھا۔ نماز کے لئے
مسجد نبوی میں تشریف لاتے تو وہ اکثر ہمراہ ہوتی تھیں۔ نماز کے دوران
وہ آپؐ کی پشت پر سوار ہو جاتیں۔ لیکن آپؐ کچھ نہ کہتے!

حضرت رقیہؓ :۔ حضرت رقیہؓ حضور سرورِ کونینؐ کی دوسری صاحبزادی
تھیں۔ اسلام سے قبل اُن کا نکاح ابولہب کے بیٹے عتبہ سے ہو چکا تھا۔
لیکن ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ حضورؐ نے نبوّت کا اعلان فرمایا تو
ابولہب اور اس کی بیوی اُمِّ جمیل آپؐ کے سخت دشمن بن گئے۔ اُمِّ جمیل
تو خاص طور پر رسولِ خدا[1] سے اپنی نفرت کا اظہارِ کُھلم کُھلا کیا کرتی

۱۔ نسائی

تھی - خاصی امیر خاتون تھی۔ لیکن حضور سرورِ کونینؐ کو اذیت پہنچانے کے لئے کانٹوں اور جھاڑیوں کا گٹھا اپنے سر پہ اٹھا کر لاتی اور آپؐ کی راہ میں بچھاتی - ایک دن ذرا تھک گئی تو سستانے کے لئے ایک پتھر پر بیٹھ گئی۔ گٹھا سر پہ تھا۔ اتنے میں اللہ کے حکم سے فرشتے نے گٹھا کو کھینچا تو رسّی اُمِ جمیل کے گلے میں پھنس گئی۔ اور دم گھٹنے سے مرگئی۔

سورت لہب نازل ہوئی تو ابولہب اور اس کی بیوی بہت سٹپٹائے۔ اور پیش نہ گئی تو بیٹے پر زور ڈال کر حضرت رقیہؓ کو طلاق دلوادی۔ یوں رسولِ خدا کی بیٹی کی اس اسلام دشمن گھرانے سے جان چھوٹی۔

بعد میں ان کا نکاح حضرت عثمانؓ سے ہوا۔ مکہ میں مسلمانوں پر مظالم کی انتہا ہوگئی تو ۵ نبوی میں کچھ مسلمانوں نے رسول اللہؐ کی اجازت سے حبشہ کی جانب ہجرت کی۔ ان میں حضرت عثمانؓ اور حضرت رقیہؓ بھی شامل تھے۔ حبشہ کے حالات سازگار تھے۔ چنانچہ وہ ایک عرصے تک وہاں مقیم رہے۔

اُس زمانے میں آمد و رفت اور پیغام رسانی کے ذرائع بے حد محدود ہوتے تھے۔ کافی دنوں تک حبشہ سے کوئی اطلاع نہ آئی تو جنابِ رسالتمآبؐ بیٹی کی خیریت جاننے کے لئے بے تاب ہوگئے۔ نظریں حبشہ کی راہ پر لگی رہتیں کہ کوئی قاصد وغیرہ آئے تو خیریت کا پتہ چلے۔

روز ایک خاتون حبشہ سے آئیں تو اس سے بیٹی اور داماد کا حال دریافت فرمایا۔ یہ جان کر کہ دونوں بخیریت اور خوش و خرّم ہیں۔ اللہ کا شکر ادا کیا۔ اور فرمایا۔ "خدا ان دونوں پر رحم فرمائے"

حبشہ سے واپسی کے بعد حضرت عثمانؓ اور حضرت رقیہؓ نے کچھ دن مکّہ میں گزارے اور پھر ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے آئے۔ طویل مہاجرت اور سفر کی تکلیفوں سے جناب رقیہؓ مدینہ پہنچتے ہی بیمار پڑ گئیں۔ طبیعت زیادہ بگڑی تو چارپائی سے اٹھنا محال ہوگیا۔ اسی دوران بدر کا معرکہ پیش آیا۔ حضورؐ لشکر لے کر کفّار کے مقابلے کے لئے چلے گئے اور حضرت عثمانؓ کو اُن کی تیمارداری کے لئے مدینہ میں چھوڑا۔

حضورؐ کافروں کو شکست دے کر لوٹے ہی تھے کہ حضرت رقیہؓ کے انتقال کی خبر ملی۔ بے حد افسردہ ہو گئے۔ قبر پر تشریف لے گئے۔ دعائے مغفرت کی۔ عورتیں حضرت رقیہؓ کو یاد کر کے روتی تھیں۔ انہیں تسلّی دی۔ بہن کو یاد کر کے فاطمہؓ کے آنسو نکل آئے تو حضور سرورِ کونینؐ نے اپنی چادر سے صاف کیے اور صبر کی تلقین فرمائی۔

حضرت رقیہؓ کی نشانی ان کا ایک بیٹا تھا۔ عبداللہ نام تھا۔ حضورؐ اسے بہت عزیز رکھتے تھے۔ لیکن وُہ بھی جلد ہی چل بسے۔ صرف چھ سال کے تھے کہ ایک مُرغ نے آنکھ میں چونچ مار دی۔ زخم خراب ہوگیا۔ چہرہ پر

ورم آگیا اور اسی صدمے سے ۲ھ میں انتقال ہو گیا۔ جناب رسالتمآبؐ نے خود نواسے کا جنازہ پڑھا۔

حضرت امّ کلثومؓ:۔ آپ جناب رسالتمآب کی تیسری بیٹی تھیں۔ بچپن میں ہی ابولہب کے دوسرے بیٹے[1] عتیبہ سے نکاح ہو گیا تھا۔ سورۃ لہب کے نازل ہونے پر عتیبہ نے بھی والدین کے کہنے پر حضرت امّ کلثومؓ کو طلاق دے دی۔ حضرت رقیہؓ کی طرح ان کی بھی رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ ۲ھ میں حضرت رقیہؓ کے انتقال پر آپ حضرت عثمانؓ سے بیاہی گئیں۔ آپ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ وفات تک مدینہ میں رہیں۔ ۹ھ میں انتقال ہوا۔ نمازِ جنازہ رسولِ خدا نے خود پڑھائی اور صحابہ کبار نے قبر میں اتارا۔

خادمِ رسولؐ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت امّ کلثومؓ کو دفن کرنے کے بعد جناب رسالتمآب بے حد غمگین ہو گئے۔ کافی دیر تک قبر پر بیٹھے ورد وظائف میں مشغول رہے۔ اور اس دوران آنکھوں سے مسلسل آنسو بہتے رہے۔

حضرت فاطمہؓ:۔ آنحضرتؐ کو اولاد میں سب سے زیادہ محبت حضرت فاطمہؓ سے تھی۔ آپ کے بارے میں حضورؐ کا فرمان ہے

سَيِّدَةُ النِّسَاءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ۔

یعنی فاطمہ جنت کی عورتوں کی سردار ہیں۔

۱۔ ابولہب کے ایک بیٹے عتبہ سے آپ کی بڑی بہن حضرت رقیہؓ کا نکاح ہوا تھا۔

ایک مرتبہ آپؐ نے زمین پہ چار لکیریں کھینچیں۔ پھر صحابہؓ سے پوچھا جانتے ہو یہ کیا ہے۔ انہوں نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسولؐ ہی بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا۔ یہ فاطمہؓ بنتِ محمدؐ۔ خدیجہؓ بنت خویلد (حضورؐ کی زوجہ) مریمؑ بنت عمرانؑ (حضرت عیسیٰؑ کی والدہ محترمہ) اور آسیہ بنت مزاحم (فرعون کی بیوی) ہیں اور انہیں جنّت کی عورتوں پر سب سے زیادہ فضیلت حاصل ہے۔

ہجرتِ مدینہ کے بعد حضرت فاطمہؓ کا نکاح حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے ہوا شوہر کا گھر میکے سے کچھ فاصلے پر تھا۔ حضورؐ کو یہ دوری گوارا نہ ہوئی۔ کوشش کرکے اپنے گھر کے پاس ہی ایک مکان ڈھونڈا اور پیاری بیٹی کو وہاں منتقل کروا لیا!

حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرت فاطمہؓ کا بہت خیال رکھتے اور حتی الامکان کوشش ہوتی تھی کہ انہیں ان کی طرف سے تکلیف نہ پہنچے۔ لیکن میاں بیوی کا رشتہ ہی ایسا ہے کہ ہزار احتیاط کے باوجود کبھی نہ کبھی ناچاقی ہو ہی جاتی ہے۔ ایسے مواقع پر حضور سردرِ کونینؐ، حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ دونوں کو سمجھاتے۔

ایک مرتبہ حضورؐ کو ایسی ہی ایک رنجش کا علم ہوا، تو پریشان ہو گئے۔ اسی وقت اٹھے، بیٹی کے گھر گئے۔ میاں بیوی دونوں کو سمجھایا اور صلح صفائی

۱۔ طبقات ابن سعد۔

کروا کے لوٹے، تو چہرہ مبارک بشاش تھا۔ صحابہؓ نے مسرت کی وجہ پوچھی تو فرمایا۔ا

ایسے دو شخصوں میں صلح کروا کے آیا ہوں جو مجھے بہت پیارے ہیں۔

ایک دفعہ پھر جھگڑا ہوا تو حضرت فاطمہؓ ناراض ہوکر والد بزرگوارؐ کی خدمت میں گئیں اور شوہر کی شکایت کی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو پتہ چلا تو وہ بھی پیچھے چلے آئے۔ ابھی دروازے سے باہر ہی تھے کہ اندر سے جناب رسالتمابؐ کی آواز کانوں میں پڑی، جو اپنی بیٹی کو سمجھا رہے تھے۔ کہ میاں، بیوی کے درمیان معمولی معمولی اختلافات کا پیدا ہونا عین فطری ہے۔ اور یہ ضروری نہیں ہے کہ شوہر سب کام بیوی کی مرضی کے مطابق ہی کرے اور اُسے کبھی کچھ نہ کہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے رسول اللہؐ کی یہ نصیحتیں سنیں تو وہیں سے پلٹ آئے اور دل میں عہد کر لیا کہ آئندہ جگر گوشۂ رسولؐ کو شکایت کا موقع نہیں دیں گے۔2

اس واقعہ کے بعد ایک دفعہ گھر میں رنجش پیدا ہوئی تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ مُنہ سے کچھ نہ بولے۔ چپکے سے اُٹھے اور مسجد میں جا کر لیٹ رہے۔ حضورؐ کو پتہ چلا تو حضرت فاطمہ کے گھر تشریف لے گئے انہیں سمجھایا اور

ا۔ طبقات ابن سعد۔ 2۔ طبقات ابن سعد

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو منانے کے لئے خود مسجد گئے دیکھا کہ جناب مرتضیٰؑ غصے کے عالم میں فرش پر لیٹے ہوئے ہیں اور جسم مٹی سے آلودہ ہو رہا ہے جناب رسالتمآبؐ نے یہ کیفیت دیکھی تو فرمایا،

ابو تراب! یہ کیا حال بنا رکھا ہے۔ چلو اٹھو، گھر چلیں، اور حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ خاموشی کے ساتھ آپؐ کے ہمراہ چل دیئے۔

ابوتراب کا مطلب ہے، مٹی کا باپ۔ مٹی سے آلودہ شخص کے لئے اس سے بہتر کلمہ شاید ہی کوئی ہو۔ اور بعد میں ابوتراب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی کنیت[1] مشہور ہو گئی۔

حضور سرورِ کونینؐ کا معمول تھا کہ کہیں سفر پر جانا ہوتا تو سب کو ملنے ملانے کے بعد آخر پر حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لاتے۔ سفر سے لوٹتے۔ تو سب سے پہلے اپنی بیٹی کے گھر جاتے، گویا جدائی کا عرصہ کم سے کم ہو۔

حضرت فاطمہؓ، ان کے شوہر اور بیٹوں سے جناب رسالتمآب کی بے پناہ محبت کا اندازہ اس واقعہ سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت فاطمہؓ حضرت علیؓ، حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کو مخاطب کرکے فرمایا۔

تم لوگوں کی جس سے لڑائی ہے، اس سے میری بھی لڑائی ہے اور جس

---

1 اصل نام کی بجائے پکارا جانے والا نام

سے تمہاری صلح، اس سے میری بھی صلح ہے۔

حضرت فاطمہؓ سے خصوصی لگاؤ بخاری کی اس حدیث سے بھی ظاہر ہوتا ہے

فرمایا۔

"فاطمہؓ میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔ جس نے اس کو اذیت دی۔ گویا اس نے مجھے اذیت دی۔ جس نے اُسے دُکھ پہنچایا اس نے مجھے بھی پہنچایا۔"

حضرت فاطمہؓ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو آپؐ کھڑے ہوکر استقبال فرماتے۔ پیشانی چومتے اور اپنی نشست پر بٹھاتے تھے۔ یہی بیٹی سے محبت ہی کا تقاضا تھا کہ جنّت میں جلد ہی پاس بلا لیا۔ حضورؐ کی رحلت سے کچھ وقت پہلے آپؓ سرہانے بیٹھی ہوئی تھیں کہ جناب رسالتمابؐ نے ان کے کان میں کوئی بات کہی جس سے آپ رو دیں۔ پھر کچھ کہا تو آپ مسکرانے لگیں بعد میں کسی نے اس کی وجہ پوچھی تو خاتونِ جنّت[1] نے فرمایا کہ باباؐ نے اپنی رحلت کا وقت قریب بتایا تو میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اور جب انہوں نے یہ خوش خبری دی کہ گھر والوں میں سے سب سے پہلے میں ہی اُن سے ملوں گی تو میں خوش ہوگئی۔ اور واقعی ایسا ہی ہوا حضورؐ کی وفات کو سال بھی نہ گذرا تھا کہ جناب سیّدہؓ بھی رحلت فرماگئیں۔

اُمّت کی تربیت کے لئے ایک نکتہ:۔ بیٹی سے محبت کے تقاضے ا

۱۔ حضرت فاطمہؓ

جگر، لیکن دین کے معاملے میں انہیں کبھی رعایت نہ بخشی، بلکہ انہیں واضح طور پر بتا دیا کہ کہیں رسول ؐ کی بیٹی ہونے کے گھمنڈ میں نہ رہنا۔ نجات چاہتی ہو تو اس کے لئے نیک اعمال کی ضرورت ہے۔ قیامت کے دن محض تقویٰ کام آئے گا۔ اور بیٹی نے بھی اس نصیحت کو پلّے باندھا کہ زہد و ریاضت میں دنیا بھر کی عورتوں سے سبقت لے گئیں۔ اور جنّت کی خواتین کی سردار قرار پائیں۔ حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ میری آنکھوں نے رسول اللہؐ کے بعد فاطمہؓ سے بہتر کسی کو نہیں دیکھا۔

کسی شخص کو اس سے بہتر سرٹیفکیٹ کیا مل سکتا ہے۔

جناب سیّدہؓ کی محنت اور جفاکشی کا یہ عالم تھا کہ دین و دنیا کے شہنشاہ کے جگر کا ٹکڑا ہونے کے باوجود گھر کا سارا کام خود کرتیں۔ چکّی پیسنے سے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے، پانی کی مشک اٹھانے سے کمر پر نشان بن گئے۔ چولہا جھونکنے سے چہرے کی رنگت سیاہ ہو گئی۔ دوسروں کے گھروں میں خادموں کی بھرمار دیکھی تو باباؐ سے ایک لونڈی مانگ لی۔ جناب رسالتمآبؐ کا جواب سننے سے تعلق رکھتا ہے۔ فرمایا۔ بیٹی: یہ تو فقیروں اور یتیموں کا حصہ ہے۔ ہمارے لئے دنیا نہیں بلکہ آخرت ہے۔ اللہ کو یاد کرو، دنیا کی تکلیفیں خود بخود بھول جائیں گی۔ غرض اپنی جان سے زیادہ عزیز بیٹی کو

لونڈی نہ دی۔

ذرا ایک اور واقعہ پر بھی توجہ ہو۔ جناب رسالتمآبؐ سفر سے واپسی پر بیٹی کے گھر جاتے ہیں تو وہ استقبال کے طور پر دروازوں پر پردے ڈال لیتی ہیں، لیکن سرورِ کونینؐ کو یہ آن بان پسند نہیں آتی۔ دروازے سے واپس لوٹ جاتے ہیں۔ بیٹی کو وجہ معلوم ہوتی ہے۔ تو پردوں کو پھاڑ پھینک دیتی ہیں۔

تو یہ امت کے لئے تربیت کا ایک انداز ہے۔ عمل سے بتایا کہ اولاد کو ٹوٹ کر چاہو، لیکن محبت میں اصول قربان نہ ہوں۔ اولاد سے محبت کا انداز یہ نہ ہو کہ اقربا نوازی کا شک گذرنے لگے۔ محنت و مشقت مسلمان کی شان ہے۔ اپنی اولاد کو اس سے جی نہ چرانے دو۔ اپنی حیثیت کو بچوں کے ناجائز فائدے کے لئے استعمال نہ کرو۔ انہیں اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے دو۔ اور زندگی کی دوڑ میں، انہیں وہی کچھ حاصل کرنے دو، جس کے وہ مستحق ہیں۔

آج کا حال:۔ اب ذرا آج کے حالات دیکھیں، کیا ہم اس کسوٹی پر پورا اترتے ہیں۔ جواب یقیناً نفی میں ہے۔ والدین اولاد کو پیار تو ضرور دیتے ہیں لیکن اس کے

۱۔ جیسا کہ تیسرے باب میں بیان کیا جا چکا ہے۔ امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی عمروں میں سال سے بھی کم فرق تھا۔ اور حضرت امام حسینؓ ویسے بھی پیدائش کے وقت بہت کمزور تھے۔ چنانچہ جب گھر پر دونوں بچوں کا سنبھالنا مشکل ہو گیا تو حضور سرورِ کائنات نے ایک کم سن ملازمہ فضّہؓ نامی دی۔ مگر اس ہدایت کے ساتھ کہ ایک دن ملازمہ کام کرے گی اور ایک دن جناب سیدہ خود۔

دوسرے تقاضوں کا خیال نہیں رکھتے ۔ بے جا لاڈ پیار بچوں کو آوارہ بنا دیتا ہے ۔ والدین کی بلا ضرورت ناز برداریوں سے بچوں میں محنت اور مقابلے کا جذبہ ختم ہوتا جا رہا ہے ۔ وُہ ہر موقعہ پر سہارے ڈھونڈتے ہیں ۔ امتحان کے لئے پڑھائی نہیں کریں گے ۔ مگر پرچوں کے پیچھے بھاگنے میں کوئی عار نہیں ، پاس ہونے اور اچھے نمبر لگوانے کے لئے روپیہ پیسہ ، دھونس دھاندلی اور تعلقات ، غرض سب کچھ استعمال کیا جاتا ہے ۔ نالائق ہونے کے باوجود ، ڈگری کا پرزہ ہاتھ میں تھامے یہ لوگ نوکریوں کے لئے نکلتے ہیں ، تو وہاں بھی پرانے حربے استعمال کرتے ہیں ۔ کسی کا باپ یا کوئی اور عزیز رشتے دار اچھے منصب پر ہے ، تو نوکری کا دروازہ خود بخود کھُل جاتا ہے ۔ اس ساری بھاگ دَوڑ میں ، کتنے مستحقین کا خون ہوتا ہے ، یہ کوئی نہیں دیکھتا ۔ بس نظر محض اپنے مفاد پر ہوتی ہے ۔ تو عزیزو ! اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کی تعلیمات کا منشا یہ تو نہیں ، ہم بھٹک کر کہاں سے کہاں جا نکلے ہیں ۔ اس پر غور ہی نہیں بلکہ عملی اقدامات کی ضرورت ہے تاکہ صورت حال کی اصلاح ہو سکے ۔

صاحبزادوں سے رغبت :۔ چار بیٹیوں کے علاوہ حضور سرورِ کونینؐ جناب قاسمؓ[1] اور جناب ابراہیمؓ[2] کے بھی باپ تھے ۔ دونوں بچے کم سِنی میں

۱۔ جناب خدیجہؓ کے بطن سے پیدا ہوئے ۔ [illegible]۔ حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے پیدا ہوئے ۔

ہی وفات پا گئے تھے۔

حضرت قاسمؓ:۔ جناب قاسمؓ اولاد میں سب سے بڑے تھے۔ اُن کی پیدائش پر جناب رسالتمآب بہت خوش ہوئے۔ نام اپنی پسند سے رکھا اسی نسبت سے آپؐ کی کنیت ابوالقاسم مشہور ہوئی۔ آپؐ کو یہ کنیت بہت پسند تھی۔ ایک دن بازار سے گزر رہے تھے کہ پیچھے سے ابوالقاسم! ابوالقاسم! کی آوازیں آئیں۔ پلٹ کر دیکھا تو ایک شخص کسی اور کو پکار رہا تھا۔ اُس نے حضورؐ سے معذرت کی۔ اس پر جناب سرورِ کونینؐ نے فرمایا کہ آئندہ کوئی یہ کنیت نہ رکھے"۔

حضرت ابراہیمؓ:۔ جناب ابراہیمؓ حضور سرورِ دوعالمؐ کی سب سے چھوٹی اولاد تھے۔ پیدائش کی خبر سُن کر بہت مسرور ہوئے۔ ساتویں دن عقیقہ کیا۔ اور سر اترنے والے بالوں کے برابر چاندی خیرات کی۔ رواج کے مطابق دودھ پلانے کے لئے ایک انصاری عورت کے سپرد کیا۔ معاوضہ میں کھجور کے چند درخت عطا فرمائے۔ اس خاتون کا گھر مدینہ سے باہر اضافی بستی میں تھا۔ حضورؐ بیٹے کو دیکھنے کے لئے خاصا فاصلہ طے کر کے وہ تشریف لے جاتے۔ چھوٹا سا گھر تھا۔ اکثر دھوئیں سے بھرا رہتا۔ لیکن آپ وہاں بیٹھتے اور بچے کو گود میں لے کر پیار کرتے۔ پھر اسی صاحبزادے کی وفات ہوئی، تو صدمے سے آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ لیکن زبان

کلمۂ شکر تھا۔ صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہؐ یہ کیا؟ فرمایا:
آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں، دل غمزدہ ہو رہا ہے۔ لیکن مُنہ سے ہم وہی کہیں گے، جو خدا کو پسند ہے[1]۔

اس موقعہ پر آپؐ کی کنیز اُمّ ایمن چلّا چلّا کر رونے لگیں تو منع فرما دیا۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ! آپؐ بھی تو رو رہے ہیں۔ فرمایا:
یوں (بے آواز) رونا منع نہیں ہے۔ یہ رونا جس رقّت کی وجہ سے ہے، وہ اللہ کی رحمت ہے۔

3۔ نواسوں سے لگاؤ

اپنے نواسوں حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ سے دلی لگاؤ تھا۔ وُہ مسجد نبوی میں آپؐ کے پاس آجاتے اور اِدھر اُدھر دوڑتے پھرتے، آپ انہیں کچھ نہ کہتے۔ نماز کے دوران کبھی کبھار آپؐ کی ٹانگوں میں سے گذر جاتے تو بھی ہرگز نہ ڈانٹتے۔ جمعہ کے دن جناب رسالتمآبؐ منبر پہ تشریف فرما تھے۔ خطبہ شروع ہونے والا تھا کہ جناب حسنؓ اور حسینؓ نئے کپڑے پہنے تشریف لائے۔ حضورؐ منبر

۱۔ بخاری

سے نیچے اتر کر نواسوں کی طرف بڑھے، پیار کیا اور گود میں اٹھا کر پاس بٹھا لیا۔

جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا: ایک بدو سردار نے حضورؐ کو پیار سے اپنے نواسوں کو چومتے دیکھا تو سخت حیران ہوا۔ کہنے لگا میرے دس بیٹے ہیں۔ میں نے کبھی کسی کا بوسہ نہیں لیا۔ حضور سرورِ کونینؐ نے فرمایا یہ کوئی فخر کی بات نہیں۔ یاد رکھو، جو رحم نہیں کرتا، اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔[1]

میرے بچے میرے پھول: نواسوں کو دیکھنے کے لئے حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لے جاتے۔ تو فرماتے میرے پھولوں کو لاؤ۔ میرے بچوں کو لاؤ۔ جناب حسنؓ اور حسینؓ سامنے آتے تو سینے سے چمٹا لیتے، منہ چومتے اور پیار کرتے۔

حسینؓ لختِ بدنِ رسولؐ: حضرت فاطمہؓ کے لختِ جگر، حضرت امام حسینؓ سے بے انتہا پیار تھا۔ جنابِ حسینؓ کی پیدائش سے پہلے کا واقعہ ہے کہ اُمِّ فضل بنتِ عباسؓ نے خواب میں دیکھا کہ حضور سرورِ کونینؐ کے جسم کا ایک ٹکڑا اُن کے گھر میں پڑا ہوا ہے۔ عجیب و غریب خواب تھا۔ شدید پریشانی کے عالم میں حضور رسالتمآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور خواب بیان کیا۔

۱۔ بخاری۔

آپؐ نے فرمایا پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں، یہ تو بہت اچھا خواب ہے۔ فاطمہؓ کے ہاں بیٹا پیدا ہوگا اور تم اسے دودھ پلاؤ گی۔ کچھ عرصے بعد حضرت امام حسینؑ پیدا ہوئے تو دودھ پلانے کا شرف امّ فضل کو حاصل ہوا۔ جناب حسینؑ کو جان سے زیادہ عزیز رکھتی تھیں۔ اڑھائی سال کے ہوئے تو دودھ چھڑوا دیا اور بچے کو نانا کے پاس لے گئیں۔ حضورؐ نے نواسے کو گود میں لیا اور بھینچ بھینچ کر پیار کیا۔

اسی دوران بچے نے حضورؐ کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا۔ امّ فضلؓ نے یہ دیکھا تو پیار سے کمر پر ہلکا سا ٹھوکا دیا کہ یہ کیا کر دیا، جناب رسالتمآبؐ کو بُرا لگا۔ فرمایا:

"امّ فضلؓ! میرے بیٹے سے نرمی برتو۔ خدا تم پر رحم کرے۔ خدا تمہارے کام سنوارے۔"

امّ فضلؓ نے عرض کی یا رسول اللہؐ! کپڑے اتار دیجئے تاکہ دھو دوں۔ فرمایا، دودھ پیتے بچے کا پیشاب ناپاک نہیں ہوتا، دھونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ صرف پانی چھڑک دینا ہی کافی ہے۔[1]

سواری بھی تو دیکھو: ایک دفعہ امام حسینؑ کو کندھے پر بٹھائے گلی سے گذر رہے تھے تو کسی نے کہا۔ سبحان اللہ، کیا خوب سواری ہے۔ فرمایا

۱۔ علامہ عبدالرحمٰن جامی، شواہد نبوت۔

سوار کو نہیں دیکھتے؟ وُہ بھی تو کسی سے کم نہیں۔

اکثر فرماتے تھے۔ حسینؓ میرا ہے اور میں حسینؓ کا ہوں۔ جو حسینؓ کو عزیز رکھتا ہے۔ اُسے خدا بھی عزیز رکھے۔

ایک بار امام حسینؓ آپؐ کے قدم پر قدم رکھ کر کھڑے تھے۔ آپؐ نے اوپر اٹھا لیا۔ اور بوسہ لے کر فرمایا۔

خدایا: میں اس سے محبّت رکھتا ہوں، تو بھی رکھ۔

حسینؓ میرا ہے میں اس کا ہوں:۔ ایک روز حضور سرورِ کائناتؐ کسی کے ہاں دعوت پر جا رہے تھے۔ حضرت امام حسینؓ راستے میں کھیل رہے تھے۔ آپؐ نے دیکھا تو پنجوں کے بل زمین پر بیٹھ کر پیار سے بازو پھیلا دیئے۔ بچّے کو جو شرارت سوجھی تو بھاگ کر آیا اور پاس سے گذر گیا۔ اور یہ حرکت کئی بار دہرائی۔ بالآخر حضورؐ نے پکڑ لیا، سینے سے چمٹایا اور فرمایا

حسینؓ میرا ہے میں اس کا ہوں۔[3]

طویل سجدہ:۔ اور پھر وُہ واقعہ بھی تو بہت مشہور ہے کہ حضورؐ سجدہ میں تھے اور ننھے حسینؓ آکر کمر پر سوار ہو گئے۔ جناب رسالتمآبؐ نے سجدہ لمبا کر لیا۔ مبادا بچّہ گر جائے اور چوٹ آئے۔

محبّت کرو، مگر دین کی روح کو نقصان نہ پہنچے:۔ احادیث

1. ترمذی 2. ترمذی 3. ترمذی 4. ترمذی

سیرت کی کتابیں ، اولاد سے حضور سرورِ کونینؐ کی بے پناہ محبت اور شفقت کے بے شمار واقعات سے بھری ہوئی ہیں ، ہم نے انتخاب سے کام لیا ہے ۔ تاہم ان مثالوں سے بھی ایک نہایت مشفق مہربان ، ہمدرد اور رحمدل ہستی کی تصویر ابھرتی ہے ۔ لیکن یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اولاد اور اہل خانہ کے لئے مجسّم رحمت ہونے کے باوجود اصولوں کے معاملے میں ان سے قطعاً رعایت نہیں برتی ۔ اگر کوئی غلط بات دیکھی تو ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اور اس کی فوری اصلاح بھی کردی ۔

جیسا کہ پچھلے صفحات میں بیان کیا گیا ہے ۔ حضور سرورِ عالمؐ سفر سے لوٹتے تو سب سے پہلے حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لے جاتے تھے ۔ ایک مرتبہ جناب فاطمہؓ کو رسولِ خدا کی واپسی کے پروگرام کا پیشگی علم ہوگیا تو استقبال کی خصوصی تیاری کی ۔ دروازے پر رنگین پردے لٹکائے بیٹوں جناب حسنؓ اور حسینؓ کو نئے کپڑے اور چاندی کے کنگن پہنائے ۔ حضورؐ حسب معمول بیٹی کے گھر کی جانب بڑھے ۔ گھر کی سج دھج اور نواسوں کے ہاتھوں میں کنگن دیکھے تو باہر سے لوٹ آئے ۔ جناب فاطمہؓ ، والد بزرگوارؐ کی ناراضگی کی وجہ بھانپ گئیں ۔ چنانچہ فوراً پردے پھاڑ پھینکے اور صاحبزادوں کے ہاتھوں سے کنگن بھی اتار دیئے ۔ بچّے کنگن پہن کر خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے ۔ اب جو ہاتھ

خالی ہوئے، تو آنسو بہانے لگے۔ روتے روتے نانا حضورؐ کے پاس پہنچے تو آپؐ نے گود میں لے کر پیار کیا۔ اور بتایا کہ تمہاری ماں نے اچھا ہی کیا۔ البتہ انہیں بہلانے کے لئے ایک صحابی کو بازار بھیجا ہاتھی دانت کے کنگن منگوائے[1] اور فرمایا، لو یہ پہن لو۔

بظاہر یہ ایک معمولی سا واقعہ ہے۔ لیکن ذرا غور کریں تو اس میں بے شمار حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ ہیں۔ اپنے عمل سے امت کو سکھایا کہ اولاد کو ٹوٹ کر چاہو، لیکن ضابطے اور اصول برقرار رہیں کسی قسم کی بے قاعدگی نہ ہونے پائے۔ دین کو روح کو ٹھیس نہ پہنچے۔

اسلام نے مردوں کو سونے اور چاندی کے زیورات پہننے سے منع کیا ہے۔ لیکن بچوں کو عام طور پہ اس حکم سے مستثنیٰ خیال کیا جاتا تھا اور لڑکیوں کے علاوہ لوگ لڑکوں کو بھی سونے، چاندی کے چھوٹے موٹے زیورات پہنا دیا کرتے تھے۔ دوسروں کی دیکھا دیکھی جناب حسنؓ اور حسینؓ نے بھی اظہارِ شوق کیا تو حضرت فاطمہؓ نے ان کی یہ خواہش پوری کردی۔ جناب رسالتمآبؐ نے اپنے جان سے عزیز نواسوں کے ہاتھوں سے یوں کنگن اتروا کر سونے اور چاندی کے سلسلے میں دو ٹوک ممانعت فرمادی اور اس حکم پر عمل درآمد اپنے گھر سے شروع کیا۔

۱۔ نسائی

ظاہر ہے رسول اللہؐ کا یہ فعل امّت کو سبق سکھانے کے لئے تھا۔ کہ بچّوں کی محبت میں ناجائز کو جائز اور حرام کو حلال نہ بناؤ۔ آج اُن کی جیسی تربیت کروگے، کل ویسا ہی پھل ملے گا۔

مگر ہم حضورؐ کی تعلیم کے اس نقطے کو بُھلا بیٹھے ہیں۔ بچوں کے معاملے میں اصول وضوابط کی پرواہ نہیں کرتے۔ اولاد کے معاملے میں ہر بے قاعدگی کو "بچہ ہی تو ہے" کہہ کر ٹال دیتے ہیں۔ یقیناً یہ منشائے دین نہیں ہے۔ اور ہمیں جناب رسالتمآبؐ کی تعلیمات کی روشنی میں اپنے رویّے کی اصلاح کرنا ہوگی۔

4۔ دیگر رشتہ داروں کے ساتھ معاشرت

بیوی بچّوں کے علاوہ انسان کے اور بھی عزیز رشتے دار ہوتے ہیں، رشتے کی نوعیت کے مطابق ان کے ساتھ بھی درجہ بدرجہ تعلق رکھنا پڑتا ہے۔ اصطلاح میں انہیں قرابت دار کہتے ہیں۔ دین اسلام میں قرابت داروں کے حقوق کا بہت خیال رکھا گیا ہے۔ ان کے ساتھ حسن سلوک، احسان نہیں فرض ہے۔ قرآنِ حکیم کی کم ازکم بارہ آیات میں قرابت داروں کے ساتھ نیکی کی تلقین کی گئی ہے۔

سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد ہوتا ہے:۔

وَاٰتِ ذَاالْقُرْبٰی حَقَّہٗ

ترجمہ: ہر قرابت دار کو اس کا حق ادا کرو (بنی اسرائیل ۔ 3)

قرابت داروں کے ساتھ نیکی کا حکم ہوا،

وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّذِی الْقُرْبٰی

ترجمہ: اور ماں باپ اور رشتہ داروں کے ساتھ نیکی کرنا (بقرۃ ۔ ۱۰)

حضور سرورِ کونینؐ نے بھی عزیزوں، رشتہ داروں کے حقوق پر بہت زور دیا ہے۔ اس سلسلہ میں کئی احادیث ہیں۔ فرمایا "قرابت کا حق ادا نہ کرنیوالا جنت میں داخل نہیں ہوگا!"

ایک دفعہ ایک شخص آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا، عرض کی یارسول اللہؐ! کوئی ایسا عمل بتایئے کہ نجات پا جاؤں، فرمایا: "خدا کی عبادت کرو، کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ، نماز پڑھو، زکوٰۃ دو اور عزیز رشتہ داروں کا حق پہچانو۔"

یہ بھی فرمایا کہ حسنِ سلوک کے معاملے میں اقربار کے درمیان تفریق نہیں کرنا چاہیئے، سب کے ساتھ نیکی کرو، صلے کی پرواہ کئے بغیر، اگر کوئی نیکی کا جواب بدی سے دیتا ہے، تو بھی آپ کے حسنِ سلوک میں کمی نہیں آنی چاہیئے۔

عزیز رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کے بارے میں جناب رسالتمآبؐ نے

۱۔ بخاری ۲۔ بخاری

ذاتی مثالیں پیش کیں، جس میں سے چند کا ذکر ذیل میں کیا جا رہا ہے۔

1۔ **حضرت ابوطالبؑ:** ۔ جناب ابو طالبؑ، حضور سرورِ عالمؐ کے چچا تھے۔ والدین اور دادا حضور کی رحلت کے بعد انہیں کے ہاں پرورش پائی ۔ چچا کو بھتیجے سے بے پناہ محبت تھی ۔ انہیں بیٹوں کی طرح پالا پوسا اور ہر ضرورت کا خیال رکھا، جناب رسالتمآبؐ نے بھی پیارے چچا کی فلاح اور بہبود کا قدم قدم پر خیال رکھا ۔ بچپن میں چچا کو دنیوی اعتبار سے غریب دیکھا، تو کسبِ معاش میں ان کی مدد کی ۔ ان کی بکریاں چرائیں، ایندھن اکٹھا کیا پانی ڈھویا، سامانِ تجارت کی تیاری میں مدد کی۔ اپنے پاؤں پر کھڑے ہوئے تو سب سے پہلے چچا کی عیالداری پر نظر گئی ۔ اصرار کے باوجود جناب ابوطالبؑ نے مالی معاونت قبول کرنے سے معذرت کر دی تو جناب رسالتمآبؐ نے ان کے بیٹے جناب علیؑ کو اپنے ساتھ ملا لیا، تاکہ چچا کی وضع داری پہ بھی حرف نہ آئے اور ان کا کچھ بوجھ بھی ہلکا ہو جائے۔

جناب ابوطالبؑ کا وقتِ آخر قریب آیا، تو حضور سرورِ کونینؐ بے چین ہو گئے ۔ عرض کی چچا جان ، کلمہ شہادت پڑھ لیں تاکہ خاتمہ اسلام پر ہو۔ رسولِ خداؐ کو گوارا نہ ہوا کہ ان کے پیارے چچا بے دین ہی دنیا سے اُٹھ جائیں ۔ جناب ابوطالبؑ نے کہا ۔ بیٹے ! میں تجھے برحق سمجھتا ہوں، آج سے نہیں ہمیشہ سے ۔ مگر

اب جبکہ جان لبوں پہ آگئی ہے، تمہارا کلمہ پڑھ لیا تو اہلِ قریش طعنہ دیں گے کہ موت سے ڈر گیا۔ حالت زیادہ بگڑ گئی کنبے قبیلے والے سبھی جمع تھے۔ جناب عباسؓ نے بھائی کے ہونٹ ہلتے دیکھے تو کان لگا کر سُنا۔ اور جناب رسالتمآبؐ کو مخاطب کر کے کہا۔ بھتیجے یہ وہی پڑھ رہے ہیں جو تو انہیں کہہ رہا تھا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

جناب ابو طالبؑ رحلت فرما گئے۔ تو جناب رسالتمآبؐ کا غم دیدنی تھا اتفاق سے آپؐ کی زوجہ محترمہ جناب خدیجہؓ بھی اُسی سال وفات پاگئیں تو آپؐ نے اس سال کو ہی غم کے سال کا نام دے دیا، تاریخ میں اسے "عام الحزن" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

2۔ حضرت حمزہؓ:۔ جناب حمزہؓ بھی حضور سرورِ کائناتؐ کے چچا تھے۔ ان کے اسلام لانے کا واقعہ اسی کتاب کے پہلے باب میں بیان کیا جا چکا ہے۔ اس میں نکتے کی بات یہ ہے کہ جناب رسالتمآبؐ کو اس بات کی قطعاً کوئی خوشی نہ ہوئی کہ اُن کے چچا نے ابوجہل سے بدلہ لے لیا، بلکہ فرمایا کہ مجھے خوشی تو اس وقت ہوگی، جب آپ اسلام لے آئیں۔ جناب حمزہؓ مان گئے اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔

گویا رسولِ خداؐ کو یہ گوارا نہ تھا کہ اُن کے محسن چچا زیادہ عرصے تک اسلام کے دائرے سے باہر رہیں۔ ان کے لئے ایمان اور ہدایت کی خواہش

۱۔ ابن ہشام۔ طبقات ابن سعد

کرکے جناب رسالتمآبؐ نے صحیح معنوں میں قرابت کا حق ادا کردیا۔ کسی کے ساتھ اس سے بڑھ کر اور کیا نیکی ہو سکتی ہے کہ اُسے شرک سے نکال کر ایمان کی دولت سے نواز دیا جائے۔

جناب حمزہؓ غزوہ احد میں شہید ہو گئے۔ ابو جہل کی بیوی ہندہ نے نعش کی بے حرمتی کی۔ شہید کا سینہ چاک کرکے کلیجہ نکالا اور دانتوں سے چبایا، حضورؐ کو بے حد قلق ہؤا۔ مدینہ واپس تشریف لائے تو گھر گھر شہیدوں کا ماتم برپا تھا۔ خواتین اپنے اپنے شہیدوں پر نوحہ کر رہی تھیں۔ یہ دیکھ کر اُن کا دل بھر آیا اور فرمایا "حمزہؓ کا کوئی نوحہ خواں نہیں"[1]

فتح مکہ کے بعد حضرت حمزہؓ کا قاتل وحشی ایمان لے آیا۔ رسول خداؐ نے اپنے عزیز چچا کا قتل معاف کر دیا۔ لیکن وحشی سے فرمایا کہ میرے سامنے نہ آیا کرو۔ تمہیں دیکھ کر چچا یاد آجاتے ہیں۔

3۔ **حضرت عباسؓ**:۔ جناب عباسؓ بھی حضورؐ کے چچا تھے۔ غزوہ بدر تک اسلام قبول نہیں کیا تھا اور جنگ میں کفارِ مکہ کی طرف سے شرکت کی۔ کفار کو شکست ہوئی۔ بہت سے مارے گئے اور کئی ایک قیدی ہوئے۔ قیدی بننے والوں میں حضرت عباسؓ بھی شامل تھے۔ سب کے ہمراہ انہیں بھی ہاتھ پاؤں باندھ کر مدینہ لایا گیا اور مسجد نبوی کے

۱۔ شبلی نعمانی؛ سیرۃ النبیؐ جلد دوم ص۔393

پاس ایک احاطے میں ڈال دیئے گئے۔

حضرت عباسؓ ناز و نعمت میں پلے ہوئے تھے، قید و بند کی تکلیفوں سے نا آشنا۔ اب جو تجربہ ہوا تو سخت بے چین ہوئے اور کراہنے لگے۔

حضورؐ نے ان کو تکلیف میں دیکھا تو پریشان ہو گئے۔ آخر قریبی رشتہ دار تھے، خون کا تعلق تھا۔ مگر اپنی پریشانی کو کسی پر ظاہر نہیں کیا۔

لیکن صحابہؓ کا بھی آخر رات دن کا ساتھ تھا۔ حضورؐ کو بے کل دیکھا تو معاملہ کی تہہ کو پہنچ گئے۔ چاہا کہ حضرت عباسؓ کی رسیاں ڈھیلی کر دیں تاکہ ان کی تکلیف میں کمی ہو۔ حضورؐ کو پتہ چلا تو منع فرما دیا اور کہا عباسؓ میرے عزیز سہی، لیکن صرف انہی کو رعایت دینا قرینِ انصاف نہیں۔ سب کے ساتھ ایک سا سلوک کرو۔ یا تو سبھی کی رسیاں ڈھیلی کردو یا بھی کو ایسے ہی رہنے دو۔

چنانچہ سب کی رسیاں ڈھیلی کر دی گئیں، حضرت عباسؓ کی تکلیف کم ہوئی تو جنابِ رسالتمآبؐ کو بھی چین آیا۔[۱]

ان ذاتی مثالوں کا مقصد امت کی تربیت تھا۔ کہ انہیں عزیز و اقربا کے ساتھ حسنِ سلوک کے لئے آمادہ کیا جائے۔ لوگ اپنی ذات کے حصار میں ہی قید ہو کر نہ رہ جائیں بلکہ اپنے عزیز رشتہ داروں کا بھی خیال رکھیں۔

۱۔ شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ جلد دوم۔ ص 394

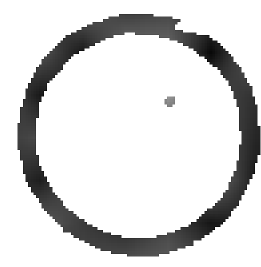
ان کے دکھ، سکھ میں شریک ہوں۔ ان کے مصائب و مسائل کو سلجھائیں۔ انہیں تحفظ کا احساس دلائیں۔

نفسا نفسی کے اس زمانے میں تو رسول اللہؐ کی ان تعلیمات کی اہمیت اور بڑھ گئی ہے۔ آج مادیت کا زمانہ ہے۔ پرانی وضع داریاں ختم ہو رہی ہیں۔ رشتوں کی پہچان کا رواج نہیں رہا۔ اور رشتے تو رہے ایک طرف، بھائی، بھائی کے لئے اجنبی ہو رہا ہے۔ صرف دولت کا چلن ہے۔ سبھی اس کے پیچھے دیوانے ہو رہے ہیں۔ سبھی اس سے رشتہ جوڑنے کی فکر میں ہیں۔

معاشرے کی اس ٹوٹ پھوٹ سے، انسان تنہا رہ گیا ہے۔ ایک دوسرے سے لاتعلق۔ بے یار و مددگار۔ خوف و ہراس کا شکار۔ انسان اور معاشرے کو مکمل تباہی سے بچانے کے لئے ضروری ہے کہ ہم دین اسلام کی طرف پلٹیں، اس کی تعلیمات پر عمل کریں۔ اہلِ قرابت ہی کے بارے میں اسلام کے احکامات پر عمل کرنے سے دنیا جنت کا نمونہ بن سکتی ہے، جہاں ہر کوئی ہر کسی کا خیر خواہ ہوگا، جہاں ایک کی تکلیف سب کی تکلیف ہوگی۔ پھر یہ دنیا انسانوں کا ہجوم نہیں، بلکہ ایک خوش و خرم اور خوش حال گھرانے کی مانند ہوگی تبھی جنابِ رسالتمآبؐ، حضور سرورِ کونینؐ کی بعثت کا مدعا پورا ہوگا۔ تبھی آپؐ کے "رحمت العالمین" ہونے کا راز سمجھ میں آئے گا۔

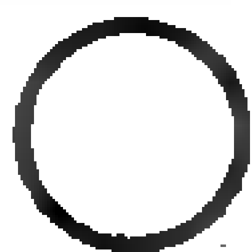
پانچواں باب

رسولِ رحمتؐ



جانوروں

کے لئے



رسُولِ رحمتؐ

جانوروں کے لئے

تعارف:۔ جناب رسالتماب حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی ذات بابرکات تمام جہانوں کے لئے رحمت ہے۔ حضورؐ تمام زمانوں کے لئے رحمت ہیں۔ تمام انسانوں کے لئے رحمت ہیں۔ یہی نہیں، آپؐ کی رحمت کا سایہ تو حیوانوں پر بھی ہے۔ روئے زمین طرح طرح کے حیوانوں اور جانوروں سے بھری ہوئی ہے۔ کہیں بار برداری اور سواری کے لئے اونٹ، گھوڑے ہیں، تو کہیں ہیں خوراک بہم پہنچانے کے لئے گائے، بھینس اور بھیڑ بکریوں کے ریوڑ ہیں۔ کہیں ہرن جیسے بھولے بھالے اور معصوم جانور ہیں تو کہیں بھیڑیئے اور چیتے جیسے عیار اور خونخوار درندے موجود ہیں۔ کہیں چیونٹی جیسی کمزور مخلوق تو کہیں پہاڑ جیسے جسم والے ہاتھی اور گینڈے ہیں۔ پھر فضاؤں میں اڑتے پھرتے پرندوں کا تو کوئی شمار ہی نہیں۔ ان میں بھی چڑیا سے لے کر عقاب تک گوناگوں جسامتوں اور عادات و خصائل والے پرندے ہیں۔

انسان اشرف المخلوقات ہے۔ دنیا کی دیگر مخلوقات اس سے کمتر ہیں۔

یہ ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔ اسی اعزاز کی وجہ سے وہ حیوانوں اور جانوروں پر حکومت کرتا ہے اور ان سے خدمت لیتا ہے۔ لیکن اسے ناسمجھی کہیے یا لالچ یا کچھ اور کہ وہ اس اعزاز کا اکثر ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے۔ جانوروں کو ہی لیں۔ مناسب خدمت لینے کی بجائے ان پر ظلم ڈھاتا ہے۔

قدیم عرب، غلط رواج اور اصلاح

یوں تو جانوروں کے ساتھ ظلم و زیادتی کا رواج ہر قوم خطے اور ہر زمانے میں رہا ہے۔ تاہم قدیم عرب اس معاملے میں حد سے زیادہ بڑھے ہوئے تھے۔ بے زبانوں کو بے انتہا اذیتیں پہنچانا اور جان سے مار دینا معمولی بات سمجھی جاتی تھی۔

باندھ کر مارنے کا رواج: لڑکوں بالوں نے نشانہ پختہ بنانے کا عجیب طریقہ اختیار کر رکھا تھا۔ بھیڑ کے بچے یا مرغی کو رسی سے باندھ کر زمین پر ڈال دیتے اور تیر سے نشانہ لگاتے جس کا تیر جانور کو لگ جاتا، خوشی سے پھولے نہ سماتا تھا۔ اُدھر جانور کی تڑپ، اِدھر انسانوں کا رقص، ایک عجیب تماشہ ہوتا تھا۔ جانور تیر پہ تیر کھا کر مر جاتا تو اس کے گوشت سے دعوت اڑائی جاتی تھی

حضور سرورِ کونینؐ نے نشانہ بازی کے اس ظالمانہ طریقے کو سخت ناپسند فرمایا اور یوں مارے گئے جانوروں کے گوشت کو حرام قرار دیا۔[1]

ایک روز حضرت عبداللہ بن عمرؓ مدینہ کی ایک گلی سے گزر رہے تھے کہ ایک جگہ ہجوم سا دیکھا۔ قریب گئے تو پتہ چلا کہ چند لڑکوں نے ایک مرغی باندھ رکھی ہے۔ اور تیر اندازی کر رہے ہیں۔ آپ نے آگے بڑھ کر مرغی کھول دی اور لڑکوں کو پکڑ کر ان کے والدین کے پاس لے گئے فرمایا آپ اپنے بچوں کو سمجھاتے کیوں نہیں، کیا آپ نہیں جانتے کہ حضور سرورِ کائناتؐ نے یوں جانوروں کو ہلاک کرنے سے منع فرمایا ہے۔

زندہ گوشت کاٹنے کارواج:۔ عربوں میں ایک اور بُری رسم تھی کہ زندہ جانور کے جسم سے گوشت کاٹ لیتے تھے۔ خاص طور پر اونٹ کی کوہان اور دنبے کی چکّی کاٹ کر الگ کر لیتے اور بھون کر کھا جاتے تھے۔ ان جانوروں کے جسم سے یوں چوری گوشت کاٹنے کی وارداتیں عام ہوتی تھیں۔ جسم کا ایک حصّہ کٹ جانے سے جانور ناکارہ ہو جاتے۔ کچھ کھاتے تڑپتے اور اکثر اسی صدمہ سے جان دے دیتے تھے۔

جناب رسالتمآبؐ نے جانوروں کو یوں اذیّت دینے سے منع کیا اور فرمایا کہ اس طرح جانوروں کے جسم سے کاٹا جانے والا گوشت مردار کے برابر ہے۔[2]

۱۔ بخاری۔ ۲۔ ترمذی

۷۔ **اونٹوں کے قتل کا مقابلہ:۔** سبقت اور برتری کا جذبہ انسانی فطرت میں شامل ہے۔ ہر کوئی دوسروں سے نمایاں نظر آنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس سلسلے میں عربوں کے اپنے ہی طریقے تھے۔ جن میں ایک یہ بھی تھا کہ دو مختلف افراد یا قبائل میں جانور ذبح کرنے کا مقابلہ ہوتا۔ ایسے مقابلوں کو باقاعدہ جشن کی شکل دی جاتی تھی۔ عوام الناس کے لئے دعوتِ عام ہوتی تھی۔ دونوں پارٹیاں اپنے اپنے اونٹوں کے ریوڑ لے کر ایک میدان میں پہنچ جاتیں، اِدھر سے ایک شخص تلوار لے کر نکلتا اور اپنے ایک اونٹ کی گردن کاٹ دیتا۔ اُدھر سے دوسرا اٹھتا، اور جواباً اپنا ایک اونٹ ہلاک کر دیتا۔ جانور بے جان ہو کر گرتا تو نعرہ ہائے تحسین بلند ہوتے۔ یوں جانور کٹتے جاتے اور تماشائی گوشت بھون بھون کر کھاتے جاتے۔ جس پارٹی کے جانور پہلے ختم ہو جاتے اُسے شکست قبول کرنا پڑتی تھی۔

قدیم عربی شاعری میں ایسے کئی مقابلوں کا ذکر ملتا ہے۔ شعرا حضرات جیتنے والوں کے ہمت و حوصلے کی داد دیتے اور ہارنے والوں کا حوصلہ بندھاتے تھے۔ ایسے جشنوں میں سینکڑوں جانور جان گنواتے اور بے فکرے خوب جی بھر کر دعوتیں اڑاتے۔ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ جانوروں کی یوں ہلاکت کو فیاضی اور سخاوت خیال کیا جاتا تھا اور ان مقابلوں میں حصہ لینے والوں کے چرچے عرصے تک لوگوں کی زبان پر رہتے تھے۔

جنابِ رسالتمآبؐ نے اِس رسمِ بد سے سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ کسی جانور کو بلا ضرورت ہلاک کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔

سوار کے ساتھ سواری بھی ختم :- جیسا کہ ہم پچھلے صفحات میں بیان کر چکے ہیں کہ ہندوستان میں ستی کا رواج تھا یعنی شوہر کی موت پر بیوی بھی چتا میں جل مرتی۔ اور اگر وہ بخوشی اس کے لئے تیار نہ ہوتی، تو زبردستی موت کے حوالے کر دیا جاتا تھا۔ عربوں میں خیر بیوی کو تو شوہر کے مرنے پر یوں ہلاک نہیں کیا جاتا تھا، مگر مرنے والے کی سواری کو جان سے ہاتھ ضرور دھونا پڑتے تھے۔ اس کی تفصیل یوں ہے۔ اگر کوئی شخص مر جاتا تو اسکی سواری کے جانور یعنی اونٹ وغیرہ کو بھی قبر پر باندھ آتے تھے۔ اُسے چارہ دیتے نہ پانی اور نہ ہی موسم کی شدّت سے بچاتے۔ اور یوں وہ سُوکھ سُوکھ کر مر جاتا۔ بیچارہ جانور بھوک پیاس کی شدّت سے بلبلاتا تو اطمینان کا سانس لیتے کہ مرحوم کی رُوح کو ثواب مل رہا ہے ان کا عقیدہ تھا کہ یہ سواری مرنے کے بعد پھر سے مرحوم کے استعمال میں آئے گی۔

حضورؐ رحمت للعالمینؐ نے جانوروں کو یوں ہلاک کرنے سے منع فرمایا اور بتایا کہ انسان کی نجات نیک کاموں سے ہوتی ہے نہ کہ یوں بے زبان جانوروں کو ہلاک کرنے سے۔

بلا ضرورت ذبیحہ کی ممانعت :- ایک دفعہ جناب رسالتمآبؐ کے

پاس کچھ صحابہ بیٹھے تھے کہ جانوروں کے ساتھ محبّت وشفقت کی بات شروع ہوگئی ۔ آپؐ نے فرمایا کہ "اگر کسی نے چڑیا یا اس سے بھی چھوٹے جانور کو اس کے حق کے بغیر ذبح کیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ باز پرس کریں گے"

بات صحابہ کی سمجھ میں نہ آئی تو پوچھا یا رسول اللہؐ! جانور کے حق سے کیا مراد ہے فرمایا۔ "یہ کہ اس کو ذبح کرے اور کھائے یہ نہیں کہ گردن کاٹ کر پھینک دے"۔

ایک اور موقع پر فرمایا کہ:۔

"جو شخص ایک چڑیا کو بھی بغیر ضرورت کے مارے گا، تو وہ قیامت کے دن اللہ کے حضور فریاد کرے گی کہ فلاں نے مجھے بلا ضرورت مارا حالانکہ اس میں اس کا کوئی فائدہ نہ تھا!

پس ثابت ہوا کہ جانور کو محض کھانے کی غرض سے ذبح کرنا جائز ہے شغلاً ہلاک کرنا سخت گناہ ہے۔

مگر ہمارے بعض دوست اس بات کو ذہن میں نہیں رکھتے گلے میں غلیل لٹکائے یا ایئرگن لے کر شکار پر نکل جاتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے پرندوں کو نشانہ بناتے ہیں۔ اور اکثر اوقات یوں ہوتا ہے کہ جانور زخمی ہوکر نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ شکاری کے ہاتھ بھی نہ لگا اور اڑنے کے قا

ا۔ نسائی

بھی نہ رہا۔ اور یوں نہایت اذیت میں جان گنوا دی۔

ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پتھر یا غلیل سے شکار کرنے سے منع فرمایا اور بتایا کہ اس طریقے سے جانور نے شکار تو کیا ہونا ہے البتہ زخمی ضرور ہو جاتا ہے۔[۱]

۱۔ بخاری۔

مغل شہزادے کا واقعہ:۔ یہاں پر کھلنڈرے لڑکوں کی عبرت کے لئے ایک تاریخی واقعہ کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔

مغلوں نے ہندوستان پر تین سو سال سے زائد عرصہ تک حکومت کی۔ شروع شروع میں تو مغل بادشاہ اور شہزادے بڑے بہادر، دلیر اور محنتی تھے، لیکن آہستہ آہستہ آرام پسند ہو گئے۔ حکومت پر گرفت ڈھیلی پڑی تو زوال شروع ہو گیا اور بالآخر 1857ء میں انگریزوں نے آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر کو برطرف کر کے ہندوستان پر کلی طور پر قبضہ جما لیا۔ حکومت کے خاتمہ سے چند ماہ پہلے کا ذکر ہے ایک روز ایک مغل شہزادہ دہلی شہر سے باہر ایک باغ میں غلیل سے چڑیوں کا شکار کر رہا تھا۔ ایک بزرگ کا ادھر سے گزر ہوا تو منع فرمایا اور کہا بیٹے! ان ننھی جانوں کو کیوں ضائع کر رہے ہو، شکار ہمیشہ کسی بڑے جانور کا کرنا چاہیئے کہ ایک کی جان جائے اور بیسیوں کا پیٹ بھرے۔ یہ نہیں کہ جانیں تو بیسیوں ضائع ہو جائیں اور پیٹ ایک کا بھی نہ بھرے۔

شہزادہ ترنگ میں تھا۔ بزرگ کی بات کا بُرا منایا۔ منہ سے کوئی جواب دینے کی بجائے ایک پتھر غلیل میں رکھا اور بابا جی کو بھی جڑ دیا۔ بوڑھے کو سخت چوٹ آئی۔ مگر بیچارہ چپکا ہو رہا۔ شہزادے کے سامنے کیا مجال تھی۔

ابھی ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ مغلوں کی حکومت ختم ہو گئی۔ شہنشاہ بہادر شاہ ظفر کو انگریزوں نے قید کر کے رنگون بھیج دیا۔ شاہی خاندان پر تو ایک قیامت بیت گئی۔ بہت سارے شہزادے مارے گئے اور بعض جان کے خوف سے بھاگ گئے۔

انہیں میں وہ شہزادہ بھی شامل تھا۔ چھپتے چھپاتے جنگل کی جانب نکل گیا اور گھنے درختوں کے ایک جھنڈ میں پناہ لی۔ زمین پر لیٹا اپنی بد قسمتی پر غور کر رہا تھا کہ درخت پر نظر گئی۔ ایک چڑیا بڑے اطمینان سے اپنے گھونسلے میں بیٹھی تھی۔ شہزادے کو اس کی قسمت پر رشک آیا کہ کیسے اطمینان سے گھر میں بیٹھی ہے اور وہ مارا مارا پھر رہا ہے۔ یہ سوچنا تھا کہ آنکھوں میں آنسو آ گئے اور سال پرانا واقعہ بھی یاد آ گیا کہ اس نے کس طرح چھوٹے چھوٹے جانوروں کو نقصان پہنچایا تھا۔

شہزادے کو یقین ہو گیا کہ اس کی یہ حالت ان معصوم جانوں کی بددعا کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ اس نے اللہ کے حضور توبہ کی نتیجتاً اس کی جان تو بچ گئی۔ مگر باقی عمر بھیک مانگ کر بسر کی۔

دوستو! یہ سبق ہے کہ ہمیں بے بس اور بے زبان مخلوق کی بددعا سے بچنا چاہیئے۔

جانوروں کو لڑانے کی ممانعت:۔ قدیم عرب جانوروں کو باہم لڑاتے۔ اپنی اپنی پسند کے جانوروں پر شرطیں باندھتے تھے۔ یہ رسم بد اس زمانے میں بھی موجود ہے۔ ریچھوں، کتوں، مرغوں اور بیٹروں کی لڑائی عام سی بات ہے۔ بعض سپیرے سانپ اور نیولے کی لڑائی بھی دکھاتے ہیں۔ ایسی لڑائیوں میں جانوروں کا بُرا حال ہو جاتا ہے۔ بیچارے زخمی ہو جاتے ہیں۔ چونچیں ٹوٹ جاتی ہیں، آنکھیں ضائع ہو جاتی ہیں۔ خون بہہ رہا ہوتا ہے مگر مالکوں اور تماشائیوں کو رحم نہیں آتا۔

ہمارے پیارے نبی آقائے دوجہاںؐ نے جانوروں کو یوں لڑانے سے بھی منع فرمایا ہے۔

دُم اور پَر کاٹنے کی ممانعت:۔ بعض لوگ پرندوں کے پر اور دُم کاٹ دیتے ہیں۔ مقصد یہ ہوتا ہے کہ وُہ گھر کے اندر ہی رہیں اور اُڑ کر کہیں دُور نہ نکل جائیں۔ خوب صورت پرندوں مثلاً مور وغیرہ کے پَر تو نچتے ہیں۔ جنہیں لوگ آرائش کے طور پر گھروں میں رکھتے ہیں۔

جناب رسالتمآبؐ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ اس سے پرندوں کی خوبصورتی ہی متاثر نہیں ہوتی، بلکہ ان کی نقل و حرکت پر بھی اثر پڑتا ہے۔

انسانوں کو نقصان پہنچاتے والے جانوروں کو ہلاک کرنے کی اجازت دی۔ بلکہ اسے کارِ ثواب قرار دیا، مگر بے ضرر یا انسانوں کے دوست جانوروں کو مارنے سے منع فرمایا۔ اس سلسلے میں احادیث کی کتب میں چیونٹی، شہد کی مکھی اور ہدہد وغیرہ کا ذکر خاص طور پر ملتا ہے۔[1]

ذبح کرنے کے آداب:۔ حضور سرورِ کونین ؐ نے جانوروں کے ذبح کرنے کے آداب بھی بتائے۔ فرمایا کسی جانور کو ذبح کریں تو اچھّے طریقے سے کریں۔ اپنی چھُری کو تیز کرلیں اور حتی الامکان ذبیحہ کو آرام پہنچائیں[2]۔ یہاں آرام پہنچانے سے مراد یہ ہے کہ جانور اس انداز سے ذبح کیا جائے کہ جان نکلنے کی تکلیف زیادہ نہ ہو۔ چھری تیز ہوگی تو رگ آسانی سے کٹ جائے گی اور جانور جلدی ٹھنڈا ہو جائے گا، یہی وجہ ہے کہ ناخن سے خراش دے کر یا دانت سے کاٹ کر ذبح کرنے سے منع فرمایا، ذبح کرتے وقت جانور کے ساتھ ہمدردی ہو اور دل میں اس کے لئے رحم کے جذبات ہونا چاہئیں۔

حدیث قُدسی ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص حضور ؐ کی خدمت میں

۱۔ مشکوٰۃ ۲۔ مسلم

حاضر ہوا۔ عرض کی یا رسول اللہؐ! میں جب بکری وغیرہ ذبح کرتا ہوں تو مجھے اس پر رحم آتا ہے۔ فرمایا اگر تم بکری پر رحم کرتے تو خدا تم پر رحم کرے گا۔[1]

بلا ضرورت سواری کی ممانعت:۔ حضور سرورِ کائناتؐ نے بلا ضرورت جانوروں کی پُشت پر سوار رہنے سے منع فرمایا۔

فرمایا "جانوروں کی پُشت کو منبر نہ بناؤ۔ خدا نے ان کو تمہارا فرمانبردار صرف اس لئے بنایا ہے کہ وہ تمہیں ایسے مقامات تک پہنچا دیں، جہاں تم آسانی سے نہیں پہنچ سکتے تھے۔ تمہارے بیٹھنے کے لئے زمین کو پیدا کیا گیا ہے۔ اپنی ضرورتیں اس پر پُوری کرو"[2]

اگرچہ رسالتمآبؐ نے مختلف مواقع پر خود اونٹ پر بیٹھ کر خطبہ ارشاد فرمایا۔ لیکن یہ ضرورت کے تحت تھا محض شغل کے طور پر جانوروں پر سوار رہنا اور ان کی پُشت کو کُرسی اور نشست کے طور پر استعمال کرنے کی ممانعت فرمائی۔

جانوروں کے بے جا استعمال کی ممانعت:۔ ہمارے ہاں ایک اور رواج بھی ہے کہ ایک ہی جانور سے مختلف کام لیتے ہیں مثلاً کسی کے پاس اُونٹ ہے تو وہ اُسے سواری اور بار برداری کے

۱۔ مسند احمد بن حنبل ۔ 2۔ ابوداؤد

علاوہ کھیتی باڑی کے کاموں کے لئے بھی استعمال کرلیتا ہے۔ برصغیر کے بعض علاقوں میں بھینس اور گائے کو ہل ، رہٹ اور چھکڑوں میں جوتا جاتا ہے۔ حالانکہ وُہ محض دُودھ کے لئے ہیں۔

ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفٰے صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے جانوروں کے اس بے جا استعمال کو ناپسند فرمایا۔ اور مسئلہ کو ذہن نشین کرانے کے لئے ایک تمثیل بیان فرمائی ۔ فرمایا ، کہ" ایک شخص بیل پر سوار کہیں جا رہا تھا۔ بیل نے مڑ کر کہا۔ میں اس مقصد کے لئے پیدا نہیں کیا گیا ہوں ۔ میں تو کھیتی باڑی کے لئے پیدا کیا گیا ہوں!"[1]

ذرا غور کریں تو ظاہر ہوگا۔ کہ اس میں بھی جانوروں سے نرمی اور ہمدردی کی حکمت پوشیدہ ہے ۔ان بے زبانوں کو اگر ہر قسم کے کام کے لئے استعمال نہیں کیا جائے گا، تو انہیں آرام کے لئے زیادہ وقت ملے گا۔ اور وُہ نسبتًا سکون کی زندگی بسر کریں گے۔

آدابِ سفر:۔ حضورِ سرورِ دوعالمؐ نے مختلف موسموں اور علاقوں کے اعتبار سے سفر کے آداب بتائے۔ فرمایا کہ:

"اگر سرسبزی اور شادابی کے زمانے میں سفر کرو تو اُونٹوں کو زمین کی شادابی سے فائدہ پہنچاؤ اور اگر قحط کے زمانے میں سفر کرو تو انہیں

۱۔ بخاری

تیزی سے چلاؤ!

اس حدیث مبارکہ میں پوشیدہ حکمت کا تعلق بھی جناب رسالتماب[۲] کی جانوروں سے محبت و شفقت سے ہے۔ موسم خوشگوار ہو۔ زمین سرسبز ہو۔ چارہ کی افراط ہو، تو آرام آرام سے سفر کرو۔ تاکہ تمہارے ستانے کے دوران سواری کا جانور جی بھر کر چارہ کھالے اور سفر کی تکان اتار لے لیکن اگر صورتِ حال اس کے برعکس ہو، قحط اور خشک سالی کا زمانہ ہو، اور آپ ایسے علاقے سے گذر رہے ہوں جہاں چارہ وغیرہ کی قلت ہو، تو سفر کا یہ حصہ تیزی سے طے کر لو۔ تاکہ تمہارے جانوروں پر قحط کا اثر نہ پڑے۔ اور وہ منزلِ مقصود پر پہنچ کر بہ اطمینان پیٹ بھر کر چارہ کھا سکیں۔

جانوروں کے لئے خوراک کا انتظام کرنا صدقہ ہے: جانوروں کے لئے خوراک کا بندوبست کرنے والوں کو بے پناہ اجر اور ثواب کی بشارت دی گئی ہے۔ یہ انتظام ارادی طور پر کیا گیا ہو یا غیر ارادی طور پر، ثواب میں کمی نہیں آئے گی، مثال کے طور پر بعض لوگ کسی کھلی جگہ پر جانوروں کے لئے دانا دُنکا بکھیر دیتے ہیں جسے چُگ کر پرندے پیٹ بھر لیتے ہیں۔ یقیناً یہ نیکی کا کام ہے۔

۱۔ مسلم

دوسری طرف ایک کسان ہے جس نے درخت لگایا یا فصل بوئی۔ اب درخت کے پتوں پھولوں اور بیجوں سے چرندے اور پرندے پیٹ بھرتے ہیں۔ فصل پک کر تیار ہوتی ہے تو پرندے بھی اس سے اپنا حصہ وصول کر لیتے ہیں، ظاہر ہے کہ کسان نے یہ ساری محنت جانوروں کیلئے نہیں کی تھی۔ اس کا مقصد تو ذاتی منفعت تھا۔ لیکن جانوروں نے یوں بالواسطہ طور پر بھی جو فائدہ اس سے اٹھایا، اللہ تبارک و تعالیٰ اُسے اس کا اجر دینگے۔ جناب رسالتمابؐ نے فرمایا کہ یہ صدقہ ہے۔ عام طور پر دیکھنے میں آتا ہے کہ لوگ جانوروں کے ساتھ حسنِ سلوک کا زیادہ خیال نہیں رکھتے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ سخت جان مخلوق ہے اور چھوٹی موٹی تکلیف کا ان پر اثر ہی نہیں ہوتا۔ یہی نادانی اور بھولپن ہمارے گناہوں میں اضافہ کا موجب بنتے ہیں۔ اس سلسلے میں کسی قسم کا شک نہیں ہونا چاہیئے کہ جانوروں کو تکلیف پہنچانا سخت گناہ ہے۔ اور حضور سرورِ کائناتؐ نے فرمایا کہ "تم لوگ جانوروں کے ساتھ جو بدسلوکی کرتے ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ اُسے معاف کر دیں تو سمجھو کہ تمہارے اکثر گناہ معاف ہو گئے۔"[1]

۱۔ مسند احمد بن حنبل

جانوروں کے ساتھ ہمدردی سے متعلق

حضور سرورِ کونین کے واقعات

حیاتِ اقدس اور سیرۃ کی کتابوں کا مطالعہ کریں تو جانوروں کے ساتھ ہمدردی سے متعلق حضور سرورِ کونین کے بے شمار واقعات ملتے ہیں۔ موضوع کی ضرورت کے تحت ذیل میں چند ایک کا ذکر کیا جائے گا۔

۱۔ ایک پیغمبر کا واقعہ:- جانوروں کے ساتھ حسن سلوک کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے ایک مرتبہ حضور سرورِ کونین نے ایک پیغمبر کا قصّہ بیان فرمایا کہ سفر پر جارہے تھے۔ تھک گئے تو سستانے کے لئے ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ پاس ہی اپنا سامان رکھ لیا، ابھی کچھ ہی دیر گذری تھی کے بازو میں سخت چبھن ہوئی۔ دیکھا تو ایک چیونٹی نے دانت گاڑ رکھے تھے۔ اللہ کے نبی سفر کی تکان اور دھوپ کی شدّت سے پہلے ہی پریشان تھے۔ اب چیونٹی نے بھی اپنا کام دکھایا تو بھنا گئے۔ فوراً ٹوہ لگائی کہ چیونٹیوں کا سوراخ کدھر ہے۔ وہ مل گیا تو سخت غصّے کے عالم میں سب چیونٹیوں کو جلا ڈالا۔

اس پر وحی نازل ہوئی۔ ربّ العالمین نے تنبیہہ کی کہ کاٹا تو ایک چیونٹی نے تھا۔ سب کو جلانے کا کیا جواز تھا۔ اگر بدلہ ہی لینا تھا تو اُس ایک چیونٹی کو ہلاک کر دیتے۔ سب کو جلانے کی تو کوئی تُک نہ تھی۔ وُہ تو بیگناہ ہی ماری گئیں۔ [1]

ظاہر ہے کہ ایک پیغمبر کا واقعہ بیان کرنے سے جناب رسالتمآبؐ کا مدعا یہ تھا کہ جب اس سلسلے میں اللہ کے نبی کی سرزنش ہو سکتی ہے تو عام لوگوں کی تو اوقات ہی کیا۔ اور ہمیں چاہیئے کہ جانوروں کو تکلیف پہنچانے سے بچیں!

2۔ <u>ہر جاندار کے ساتھ حسن سلوک کا ثواب ہے</u>:۔ ملک عرب میں پانی کی قلت ہوتی تھی۔ اور لوگ اسے اپنے اور اپنے جانوروں کے استعمال کے لئے بڑی احتیاط سے سنبھال کر رکھتے تھے۔ ایک صحابی نے اپنے باغ میں ایک تالاب بنا رکھا تھا۔ جہاں اس کے اُونٹ پانی پیتے تھے۔ کبھی کبھار کوئی بھٹکا ہوُا اونٹ اُدھر آ نکلتا تو وُہ بھی وہیں سے پیاس بجھا لیتا تھا۔

صحابی نیک دل آدمی تھے۔ ایسے جانوروں کو منع نہیں کرتے تھے دِل میں خیال آیا کہ شاید ان کا یہ فعل نیکی ہو، پھر سوچا کہ یہ تو معمولی سی بات ہے۔ بھلا اس میں نیکی کہاں سے آگئی۔ خود فیصلہ نہ کر سکے تو

۱۔ بخاری

معاملہ کی وضاحت کے لئے جناب رسالتمآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضورؐ نے قصہ سنا تو فرمایا۔ یقیناً یہ نیکی ہے کسی بھی جاندار کے ساتھ اچھا سلوک کریں تو ثواب ملتا ہے۔ اس کے بعد تو اس اصحابی نے کسی جانور کو نہ روکا۔ بلکہ خود ان کی پیاس بجھاتے تھے[1]۔

3۔ چڑیا کی بے قراری:۔ ایک مرتبہ حضورؐ سفر میں تھے، ایک جگہ قیام کیا تو دیکھا کہ ایک چڑیا پریشانی کے عالم میں لوگوں کے سروں پر پھڑپھڑا رہی ہے۔ آپؐ نے ساتھیوں سے اس کی بے قراری کا سبب پوچھا اور فرمایا تم میں سے تو کسی نے اس کو نہیں ستایا؟

ایک شخص آگے بڑھا اور عرض کی۔ یا رسول اللہؐ! ادھر جھاڑی میں ایک انڈا پڑا ہوا تھا۔ میں نے اٹھا لیا۔ غالباً اسی چڑیا کا ہے اور یہی اس کی پریشانی کا سبب ہے۔

جناب رسالتمآبؐ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا اور اس شخص کو حکم دیا کہ انڈا وہیں رکھ آئے[2]۔

جانوروں کے بچے پکڑنا اور انڈے توڑنا بعض دوستوں کا شغل ہوتا ہے، اس واقعہ سے وہ یقیناً نصیحت پکڑیں گے۔

4۔ جانوروں کو بھوکا نہ رکھو:۔ ایک بار حضور سرورِ کونینؐ

1۔ ابن ماجہ 2۔ بخاری۔

نے ایک اُونٹ دیکھا۔ کہ مسلسل فاقوں سے سوکھ کر پنجر ہو رہا تھا۔ آپؐ نے مالک کے بارے میں پوچھا تو کسی نے ایک صحابی کا نام لیا۔ آپؐ نے انہیں فوری طلب کیا۔ اور جانوروں سے زیادتی پر سرزنش فرمائی۔ فرمایا "بے زبان جانوروں کے معاملے میں خدا سے ڈرو۔ ان پر سواری کرنا ہو تو انہیں اچھی حالت میں رکھو اور اگر کھانا ہو تو بھی اچھی حالت میں رکھ کر کھاؤ۔

۵۔ فاختہ اور اُس کے بچے :۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپؐ کسی غزوہ میں شرکت کے لئے جا رہے تھے۔ کہ ایک شخص نے رومال میں لپٹی ہوئی کوئی چیز آپؐ کی خدمت میں پیش کی۔ حضورؐ نے گرہ کھولی تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک فاختہ اپنے بچّوں کو پروں کے نیچے سمیٹے بیٹھی ہے۔ پوچھنے پر اس شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! میں جنگل سے گذر رہا تھا کہ ایک جھاڑی میں ان بچّوں کو دیکھا مجھے اچھے لگے، تو رومال میں ڈال کر چلتا بنا۔ ابھی زیادہ دُور نہیں گیا تھا کہ سر پر کسی پرندے کی پھڑپھڑاہٹ اور چیخنے کی آوازیں سنیں۔ اوپر دیکھا تو بچوں کی ماں فاختہ بے چینی سے چکّر کاٹ رہی تھی۔ میں نے رومال زمین پر پھیلایا تو وُہ بھی بچّوں کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ چنانچہ میں نے سب کو لپیٹا اور آپؐ کے پاس لے آیا۔

۱۔ ابو داؤد

یہ سن کر حضورؐ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس شخص سے فرمایا کہ ان معصوم پرندوں کو بے گھر کرکے تم نے کوئی اچھی بات نہیں کی اور حکم دیا کہ انہیں اسی وقت گھونسلے میں واپس رکھ کر آؤ![1]

6 - بوڑھا اونٹ :- ایک دفعہ حضرت رسولِ اکرمؐ مدینہ کی ایک گلی میں تشریف لے جا رہے تھے کہ ایک طرف سے شور اٹھا، حضورؐ نے دیکھا کہ ایک اونٹ بھاگا آ رہا ہے اور پیچھے کچھ لوگ ہیں۔ رسول اللہؐ رُکے ہی تھے کہ اُونٹ آپؐ کے سامنے گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گیا۔ آپؐ نے شفقت سے اس کی پشت پر ہاتھ پھیرا۔ اتنے میں وہ لوگ بھی پہنچ گئے جو اُسے پکڑنا چاہتے تھے۔ آپؐ کے پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ اونٹ بہت بوڑھا ہو چکا ہے اور کام کاج کے قابل نہیں رہا۔ چنانچہ اب وہ اسے ذبح کرنا چاہتے ہیں۔ وہ بات کر رہے تھے تو اُونٹ رحمتِ دو عالمؐ کو عجیب بے بسی سے دیکھ رہا تھا۔ اس پر حضورؐ کو رحم آ گیا۔ مالکوں سے فرمایا کہ اس اونٹ نے لمبے عرصے تک آپ لوگوں کی خدمت کی ہے۔ اب اگر وہ بوڑھا اور کمزور ہو گیا ہے تو آپ بھی اس کی تھوڑی سی خدمت کر دیں۔ ان لوگوں نے حضورؐ کی بات مان لی اور اونٹ کو آزاد کر کے چرنے کے لئے کھلا چھوڑ دیا۔[2]

7- کُتیا اور اس کے بچے :- جانوروں سے شفقت کے معاملہ میں

۱- بخاری - بحوالہ قصص الرسولؐ از ریاض احمد سعید ۲- ابو داؤد، بحوالہ قصص الرسول - از ریاض احمد سعید

حضورؐ پالتو اور آوارہ کی تمیز نہیں فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ کسی مہم پر جارہے تھے کہ راستہ میں ایک کُتیا کو دیکھا کہ مزے سے لیٹی بچّوں کو دُودھ پلا رہی ہے۔ حضورؐ کو اُن کے آرام کا اس قدر احساس ہوا کہ فوجیوں کو راستہ چھوڑ کر گذرنے کا حکم دیا۔ یہی نہیں بلکہ ایک سپاہی کو وہاں کھڑا کردیا۔ تاکہ پیچھے آنے والوں کو بھی ادھر نہ جانے دے، مبادا جانوروں کے آرام میں خلل آئے۔[1]

8۔ پیاسا کتّا:۔ حضرت رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نہ صرف خود جانوروں پر شفقت فرماتے بلکہ صحابہ کو بھی ایسا کرنے کی تلقین کرتے۔ ایک روز صحابہؓ کی ایک جماعت آپؐ کی خدمت میں موجود تھی۔ انسان کے جذبۂ رحم اور شفقت کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی۔ موضوع کی وضاحت کے لئے حضورؐ نے ایک حکایت بیان کی۔ فرمایا کہ ایک شخص جنگل میں چلا جا رہا تھا۔ گرمیوں کا موسم اور دوپہر کا وقت تھا۔ پیاس لگی تو ایک کنوئیں پر پہنچا۔ دیکھا کہ ڈور ہے نہ ڈول۔ پانی تک کیسے پہنچا جائے غرض جُوں تُوں کرکے کنوئیں میں اُترا اور پیاس بجھائی۔ ابھی باہر نکلا ہی تھا کہ دیکھا کہ ایک کُتا بھی ہانپتا کانپتا آن پہنچا ہے اور کیچڑ چاٹ رہا ہے۔ بالشت بھر زبان باہر نکلی ہوئی تھی اور سخت پیاسا معلوم ہو رہا تھا۔ اس شخص نے سوچا کہ یہ بھی

1۔ بحوالہ قصص الرسول از۔ یاغی احمد سعید

میری طرح جاندار ہے اور اس کی پیاس بجھائی جائے۔ چنانچہ دوبارہ کنوئیں میں اُترا اور اپنے موزوں میں پانی بھر لایا۔ کتے نے پانی پیا تو جان میں جان آئی اور دُم ہلاتا ہوُا ایک طرف کو بھاگ گیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کو ایک جاندار کے ساتھ اس شخص کی یہ شفقت اور ہمدردی اس قدر پسند آئی کہ انعام کے طور پر اُسے بخش دیا۔ صحابہؓ بڑی دلچسپی سے قصہ سُن رہے تھے بات ختم ہوئی تو پوچھا یارسول اللہؐ! کیا جانوروں پر بھی رحم کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا بے شک۔[1]

9۔ بڑھیا کی بلّی:۔ اسی طرح آپؐ نے صحابہؓ کو ایک اور واقعہ سنایا کہ ایک بڑھیا نے بلّی پال رکھی تھی۔ نہ جانے اُسے کیا وہم ہو گیا تھا کہ معصوم جانور کو ہر وقت باندھے رکھتی۔ اس کی خوراک کا بھی خیال نہیں رکھتی تھی۔ بلّی بھوک سے بے چین ہو کر چیختی چلاتی، لیکن ظالم بڑھیا پر اس کا کچھ اثر نہ ہوتا تھا۔ یہ ننھی جان کب تک برداشت کرتی۔ آخر ایک روز اللہ کو پیاری ہو گئی۔ بڑھیا اس ظلم کی پاداش میں سیدھی جہنم میں گئی۔[2]

10۔ بجھاؤ بجھاؤ:۔ ایک دفعہ آپؐ کچھ صحابہؓ کے ہمراہ ایک سفر پر تشریف لے گئے۔ راستے میں ایک جگہ آرام کے لئے رُکے۔ صحابہؓ کھانے پینے

۱۔ مسند احمد بن حنبل۔ بحوالہ قصص الرسول از ریاض احمد سید۔

۲۔ بخاری۔ بحوالہ قصص الرسول از ریاض احمد سید

کی تیاری کرنے لگے۔ حضورؐ کسی کام کی غرض سے تھوڑی دیر کے لئے کیمپ سے باہر تشریف لے گئے۔ واپس آئے تو دیکھتے ہیں کہ چولھا تیار ہے اور اس میں آگ بھی جلائی جا چکی ہے۔ بغور دیکھا تو پتہ چلا کہ اس جگہ پر چیونٹیوں کا سوراخ تھا، جو اب جان بچانے کے لئے بھاگ رہی ہیں، کہ کہیں جل کر راکھ نہ ہو جائیں۔ بے زبان مخلوق کو تکلیف میں دیکھ کر رحمت للعالمینؐ بے کل ہو گئے اور صحابہؓ کو حکم دیا کہ فوری طور پر آگ بجھا دیں اور چولھا کسی اور جگہ بنائیں۔

دوستو! آپ نے دیکھا کہ ہمارے پیارے رسولؐ جانوروں کا کتنا خیال رکھتے تھے۔ بھئی آخر ان میں بھی جان ہوتی ہے۔ ان کے جذبات و احساسات بھی انسانوں کی طرح کے ہوتے ہیں۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض بچے جانوروں کو تنگ کرتے ہیں۔ انہیں مارتے پیٹتے ہیں۔ پرندوں کے انڈے اور بچے گھونسلوں سے نکال کر ضائع کر دیتے ہیں۔ امید ہے کہ آئندہ وہ ایسی حرکت کبھی نہیں کریں گے۔

ایک غیر مسلم کا خراجِ تحسین

اس باب کے آخر میں ایک غیر مسلم مغربی مفکر اور مصنف کا قول درج کیا جا رہا ہے۔ جناب رسالتمآبؐ کے جانوروں کے ساتھ حسنِ سلوک کا ذکر کرتے

ہوئے ایس مارگولیتھ لکھتے ہیں ۔

"آنحضرتؐ کی دردمندی کا دائرہ انسانوں ہی تک محدود نہ تھا بلکہ انہوں نے تو جانوروں پر ظلم وستم توڑنے کو بھی بہت بُرا کہا ہے۔"

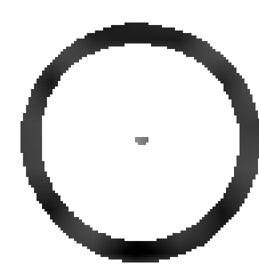
دوستو! ہماری خوش قسمتی ہے کہ حضور سرورِ کونینؐ کی امت میں سے ہیں ۔ ہمارے لئے آپؐ کی ذات با برکات ہر لحاظ سے کامل ہے ۔ دنیا وجہان کی کوئی خوبی ایسی نہ ہوگی جو آپؐ کی ذات میں نہ ہو ، ہماری زبانیں اور قلمیں آپؐ کی صفت وثنا بیان کرنے سے قاصر ہیں ۔

لیکن اگر غور کریں، تو مسلمان ہونے کے ناطے سے حضور سرورِ دوعالمؐ کی مدح وصفت بیان کرنا ہمارا مذہبی فریضہ ہے ۔ جناب رسالتمآبؐ کے ساتھ محبت اور عقیدت کا اظہار ہر مسلمان کرتا ہے ۔ لیکن مزہ تو تب ہے کہ بیگانے بھی تعریف کریں ۔ اب ذرا ایس مارگولیتھ کے بیان پر دوبارہ نظر ڈالیں وُہ غیر مُسلم ہے ۔ حضورؐ سے کوئی مذہبی عقیدت نہیں رکھتا ، اس کے باوجود اگر وُہ آپؐ کو انسانوں اور حیوانوں ہر دو کے لیئے رحمت تسلیم کر رہا ہے ، تو اس کی تحقیق کا نتیجہ ہے ۔ اسلام اور پیغمبرِ اسلامؐ کے تفصیلی مطالعہ کے بعد وہ یہ کہنے پر مجبور ہُوا ہے ،

تو دوستو! یہ ہماری خوش بختی کی انتہا ہے کہ اس رسولؐ کی امت ہیں ، جن کو اپنے ہی نہیں غیر بھی خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں ۔

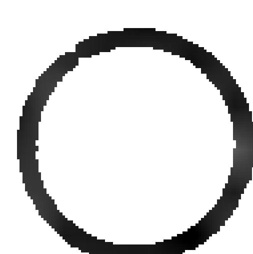
چھٹا باب

رسولِ رحمتؐ



سلسلۂ

عبادات



رسولِ رحمتؐ

سلسلۂ عبادات

مفہوم:۔ عبادت کا لفظ عبد سے نِکلا ہے : عبد کے لفظی معنی ہیں بندہ اور غلام ۔ لہٰذا عبادت کے معنی بندگی اور غلامی کے ہوئے ۔ اصطلاحی طور پر دیکھیں تو عبادت میں ہر وُہ کام شامل ہے جس کا مقصد اللہ کی خوشنودی اور رضا حاصل کرنا ہو ، عبادتِ الٰہی انسانوں اور دوسری مخلوق کے لئے لازم ہے۔ یہی نہیں بلکہ تمام مخلوق پیدا ہی اسی لئے کی گئی کہ اللہ کی عبادت کرے۔ قرآنِ حکیم میں ارشاد ہوتا ہے

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ہ (الذّٰریٰت 56)

ترجمہ: میں نے انسانوں اور جنّوں کو اسی لئے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں ۔

ارکانِ اسلام:۔ دینِ اسلام میں چار عبادتیں فرض ہیں یعنی نماز ، زکوٰۃ ، روزہ اور حج ۔ اس سلسلے میں حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد بھی ہے. فرمایا:

"اسلام کی بنیاد پانچ ستونوں پر قائم ہے:۔

1۔ توحید و رسالت کا اقرار کرنا ۔

2۔ نماز قائم کرنا ۔

3۔ زکوٰۃ دینا۔

۴۔ روزہ رکھنا۔

۵۔ حج کرنا[1]۔

توحید و رسالت کا اقرار دین کی بنیاد ہے، اور یہ ہم کلمہ پڑھ کر کرتے ہیں۔ دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کے لئے یہ اقرار لازم ہے۔ باقی چاروں عبادات بھی اپنی اپنی جگہ بےحد اہم ہیں۔ جن سے روحانی فیوض و برکات کے علاوہ گوناگوں اخلاقی، معاشی اور معاشرتی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔

دیگر مذاہب میں عبادت کا تصوّر:۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ عبادت کا تصور اور حکم ہر مذہب میں موجود رہا ہے۔ یہودیّت کو لیں یا عیسائیّت کو دیکھیں یا بُدھ مت وغیرہ کا جائزہ لیں، عبادت کا تصوّر سب کے ہاں موجود ہے۔ لیکن اُن کے اور اسلام کے تصوّرِ عبادت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اُن کا خیال تھا کہ بندہ جس قدر زیادہ تکلیف اُٹھاتا ہے۔ خُدا اُتنا ہی خوش ہوتا ہے اس لئے وُہ اپنے جسموں کو شدید قسم کی تکلیفیں پہنچاتے اور سمجھتے تھے کہ جسم کی اذیّت سے روح صاف اور پاکیزہ ہو جائے گی۔ عیسائیوں میں رہبانیّت اور ہندوؤں میں جوگ، اذیّت کے اسی تصوّر کا نتیجہ ہیں۔

عیسائی راہب دنیا کے عیش و آرام کو اپنے اوپر حرام کر لیتے۔ بستیاں چھوڑ

۱۔ بخاری

کر جنگلوں اور ویرانوں میں نکل جاتے ۔ وہاں عبادت گاہیں اور خانقاہیں بنا لیتے اور ساری دنیا سے الگ بیٹھ کر عبادت کرتے ۔ کسی سے واسطہ نہ تعلّق ، بچّوں کی فکر نہ بیوی کی پرواہ ۔ اور یوں گوشہ نشین ہوکر وہ سمجھتے کہ اللہ کو خوب راضی کر رہے ہیں ۔

ہندوؤں میں بھی جوگ کا تصوّر عیسائیوں کی راہبانیت سے ملتا جُلتا ہے ۔ وُہ بھی فقیروں کا رُوپ دھار کر پہاڑوں کی طرف نکل جاتے ، جہاں جی چاہتا ۔ دُھونی رَما کر بیٹھ جاتے ۔ کھانے کی فکر ، نہ پہننے کی پرواہ ۔ عام طور پر ننگ دھڑنگ رہتے ، یا صرف ایک لنگوٹی باندھ لیتے ۔ اپنی جان کو عجیب عجیب طریقوں سے اذیت میں ڈالتے ۔ کوئی ایک پاؤں پہ پہروں کھڑا رہتا ، تو کوئی ہاتھ اُوپر کئے رکھتا تاکہ یہ سُوکھ جائیں اور بُرائی کرنے کے قابل نہ رہیں ۔ کوئی چالیس چالیس دن کا برت رکھتا ، تو کوئی پہاڑ کی کسی کھوہ میں ایسا ڈیرہ لگاتا ، کہ وہیں جان دے دیتا تھا ۔ غرض ان لوگوں نے اپنے آپ کو اذیت دینے کے بے شمار طریقے وضع کر رکھّے تھے اور اِسے اپنی سمجھ میں عبادت خیال کرتے ہیں ۔

اسلام میں تصوّرِ عبادت :۔ یہ حضور سرورِ عالمؐ کی ذات مُبارک تھی جنہوں نے لوگوں کو اس عذاب سے نجات دلائی ۔ آپؐ نے واضح طور پر بتا دیا کہ یوں اپنے آپ کو اذیتیں دینے سے اللہ کو مسرّت

نہیں ہوتی۔ تمہاری بھوک پیاس سے اس کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تمہارے جوگ اور رہبانیت خدائے بزرگ و برتر کے نزدیک بالکل بے معنی ہیں، وہ تو اپنے بندوں پر حد سے زیادہ مہربان ہے اور ان کے لئے ہر طرح کی آسانیاں پیدا کرتا ہے بھلا وہ انہیں مشکل میں دیکھ کر کیونکر خوش ہونے لگا!

ذاتِ حق کی یہ منشا رمختلف آیات کی صورت میں بندوں تک پہنچی۔

سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوا:۔

یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ ۝

ترجمہ: خدا تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے سختی نہیں (البقرۃ: ۱۸۵)

سورۂ حج میں ارشاد ہوا:۔

وَ مَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ ۝

ترجمہ: خدا نے تمہارے لئے دین میں تنگی نہیں رکھی۔ (الحج: 78)

اور پھر سورۂ بقرہ کی وہ مشہور آیت جو اکثر ہماری زبانوں پر رہتی ہے:۔

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۝

ترجمہ:۔ خدا کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ (البقرۃ: 286)

دینِ اسلام کی آسانی اور فراخی کے بارے میں حضور سردارِ کونینؐ کی بھی کئی احادیث ہیں:

فرمایا: یہ دین آسان ہے۔ جو کوئی سختی میں دین سے مقابلہ کرے

ہار جائے گا[1]۔

اس باب کا مقصد، مختلف عبادات کے حوالے سے حضورِ سرورِ کائنات[2] کی شانِ رحمت کو اجاگر کرنا ہے۔ نماز، زکوٰۃ، روزے اور حج کے حوالے سے سیرتِ رسول کے اس گوشے کو منوّر کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

نماز

اہمیّت:۔ دین اسلام کا پہلا رکن ہے، قرآن حکیم میں سو سے زاید مرتبہ اس کا ذکر اور تاکید آئی ہے، بیسیوں احادیث اس کی اہمیّت ظاہر کرتی ہیں، کہیں اسے دین کا ستون کہا گیا ہے تو کہیں یہ جنّت کی کنجی ہے۔

نماز امیر و غریب، جوان، بوڑھے، مرد، عورت، بیمار، تندرست، مسافر، مقیم سب پر یکساں فرض ہے، اس سے معافی کی کوئی صورت نہیں۔ کھڑے ہو کر نہیں پڑھ سکتے، تو بیٹھ کر پڑھ لیں۔ اس کی بھی ہمّت نہیں تو لیٹے لیٹے ادا کر سکتے ہو۔ بول نہیں سکتے تو اشاروں سے ادا کی جا سکتی ہے، رُک نہیں سکتے تو سواری پر ہی پڑھ لیں اور اگر رُخ کا پتہ نہیں تو سواری کے رُخ پر ہی ادا کر لیں۔ غرض نماز کو ہر جگہ اور ہر حالت میں ادا

۱۔ بخاری 2۔ مسند احمد بن حنبل

کرنا ہے ۔ اس کی معافی کی کوئی صورت نہیں ۔ نماز کی اہمیت کا اندازہ اس بات پر بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اس کی فرضیت معراج کے وقت ہوئی۔ حضرت رسولِ اکرمؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مالک حقیقی سے ملاقات کے لئے عرشِ بریں پر تشریف لے گئے، تو تحفہ میں پچاس نمازیں عطا ہوئیں۔ کہ آپؐ اور آپؐ کی اُمت ہر روز پچاس نمازیں ادا کرے ۔ مگر حضرت موسیٰؑ کے کہنے پر اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور درخواست کرکے نمازوں کی تعداد پانچ کروا لی ۔ اور خداوند کریم نے فرمایا کہ آپؐ کی اُمت میں سے جو پانچ پڑھے گا اُسے بھی پچاس جتنا ثواب ہو گا۔

حضور سرورِ کونینؐ کی شانِ رحمت ملاحظہ ہو کہ ان کی ذات با برکات کے صدقے میں امت کو یہ سہولت نصیب ہوئی نمازیں تو پڑھیں پانچ اور ثواب لیں پچاس کا۔ سبحان اللہ !

وضو اور تیمم:۔ نماز کے لئے وضو ضروری ہے ، وضو نہ کریں تو نماز نہیں ہوتی ، شروع اسلام میں ہر نماز سے پہلے وضو کرنا لازمی تھا۔ بعض صحابہ کا وضو قائم بھی ہوتا ، مگر دوبارہ کرنا پڑتا۔ حضور سرورِ کائنات نے فتح کے موقع پر اللہ کے حکم سے اعلان فرمایا کہ وضو جب تک قائم رہے دوبارہ کرنے کی ضرورت نہیں ۔ اور اس کے ساتھ جتنی نمازیں پڑھ سکو پڑھ لو، گویا کہ اُمت کو ایک آسانی بہم پہنچا دی۔

وضو کے لئے پانی چاہیئے۔ مگر بعض اوقات پانی آسانی سے نہیں ملتا۔ اور ریگستانی علاقوں میں تو یہ صورتِ حال اکثر بیشتر آتی رہتی ہے۔ دین مصطفویؐ نے اس سلسلے میں بھی آسانی مہیا کردی۔ حکم ہوا کہ اگر وضو یا غسل کے لئے پانی میسّر نہ آئے، تو تیمّم کر لیا کرو۔ یعنی پاک مٹی لے کر منہ اور ہاتھوں کا مسح کرلو۔ جس طرح پانی سے کرتے ہو۔

تیمّم کی اجازت ۵ھ میں ملی۔ قرآن حکیم کی سورۂ مائدہ میں اس اجازت کے ساتھ ہی کمال شفقت سے فرمایا کہ تمہارا خدا تمہیں کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچانا چاہتا۔ مقصد محض تمہیں پاک وصاف کرنا ہے۔

اندازہ فرمایئے کہ خدائے بزرگ و برتر کو اپنے محبوب نبیؐ کی اُمّت کا کس قدر خیال ہے ہر کام میں آسانیاں ہی آسانیاں پیدا کر دیں تاکہ کسی کلمہ گو کو ذرّہ بھر بھی تکلیف نہ ہو۔

نماز کے اوقات:۔ مختلف نمازوں کے اوقات پر غور کریں تو قدرت کے کئی راز پوشیدہ ملیں گے۔ اور بنیادی نقطہ یہی ہے کہ رسولؐ عربی کی امت کو اس فرض کی ادائیگی کے سلسلے میں کوئی زحمت نہ ہو، صبح سے دوپہر تک انسانی مصروفیّت کا وقت ہے سبھی روٹی کمانے کی فکر میں ہوتے ہیں، کوئی دفتر جاتا ہے اور کوئی سکول، کسی کو دُکان پر بیٹھنا ہوتا ہے تو کوئی مزدوری کی فکر کرتا ہے، غرض اس دوران ہر کوئی مصروف ہوتا ہے۔

انسانی مصروفیات کا احترام ملاحظہ ہو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس دوران کوئی نماز نہیں رکھی۔ فجر کے بعد دوسری نماز (ظہر) سورج ڈھلنے کے بعد شروع ہوتی ہے۔ گویا کہ درمیانی سات، آٹھ گھنٹے فکر معاش کے لئے عطا کر دیئے کہ ڈسٹرب¹ ہوئے بغیر دلجمعی سے محنت کرو۔ اس میں ایک نقطہ اور بھی ہے کہ صبح کے وقت انسان تازہ دم ہوتا ہے اور سات آٹھ گھنٹے آسانی سے کام کر لیتا ہے۔

ظہر اور عصر میں اڑھائی، تین گھنٹے کا وقفہ رکھا۔ اس دوران کچھ لوگ قیلولہ کرتے ہیں یا پھر دن کا باقی کام مکمل کرتے ہیں۔ اب وقفہ کم رکھا گیا۔ تاکہ قیلولہ کرنے والے لمبی تان کر ہی نہ سو جائیں۔ اور غفلت کا شکار نہ ہوں۔ اور کام کرنے والے وضو اور عصر کی نماز سے آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سرور حاصل کریں۔ پھر اس وقفے کو غروبِ آفتاب تک لمبا کر دیا تاکہ اگر کوئی کسی وجہ سے وقت پر نماز ادا نہیں کر سکا تو سورج کے چھپنے تک ادا کر لے۔

غروبِ آفتاب کے ساتھ دن کا خاتمہ ہوا، تو شکرانے کے طور پر پھر اللہ کے حضور جھکو۔ کہ دن بخیر و خوبی گذر گیا۔ مغرب کے بعد لوگ کھانا کھاتے ہیں پیٹ بھر کر کھانے سے معدے پر بوجھ پڑتا ہے اور طبیعت میں سستی

---

1. DISTURB (پریشان)

آجاتی ہے ۔ اطبا اس بات پر متفق ہیں کہ کھانے کے بعد فوری سو جانے سے بیسیوں بیماریاں پیدا ہوتی ہیں ، اب مومنین کے لئے اللہ کی رحمت اور اُس کے رسولؐ کی شفقت ملاحظہ ہو کہ سونے سے پہلے عشاء کی نماز کی ادائیگی فرض کردی ۔ سترہ رکعتوں پر مشتمل، طویل ترین نماز ، ایک ایسے وقت میں رکھی جب انسان دن کے ہنگاموں سے فارغ ہو چکا ہوتا ہے ۔ اور اپنے پروردگار کے ساتھ راز و نیاز کے لئے اس کے پاس وافر وقت ہوتا ہے ۔ اور انسانی صحت کا نقطہ بھی پیشِ نظر رہے ۔ کہ سترہ رکعتوں کی ادائیگی کے بعد کھانا بڑی حد تک ہضم ہو جاتا ہے ۔ معدہ ہلکا ہو جاتا ہے اور انسان سکون کی نیند ہی نہیں سوتا بلکہ طرح طرح کی بیماریوں سے بھی محفوظ رہتا ہے ۔

عشاء سے فجر تک آرام کا وقت ہے۔ دن بھر کے تھکے ہارے انسان کو سکون کی نیند کی ضرورت ہوتی ہے ، چنانچہ اس دوران کوئی نماز نہیں رکھی۔

سبحان اللہ ! نماز کے اوقات اور ان میں پوشیدہ حکمتوں اور مصلحتوں کے اس مختصر سے بیان کے بعد بلاشبہ اُمتِ مسلمہ پر اللہ اور اس کے رسولؐ کی بے پناہ رحمتوں و شفقتوں کا قائل ہونا پڑتا ہے۔

نماز کے اخلاقی اور معاشرتی فوائد

حضور سرورِ کونینؐ اور ان کی اُمت کے لئے خدائے قدوس کا یہ تحفہ نماز،

اپنے دامن میں بے پناہ رحمتیں اور فضیلتیں لئے ہوئے ہے۔

صفائی اور پاکیزگی:- نمازی شخص صاف ستھرا اور پاکیزہ رہتا ہے۔ وُہ اپنے جسم اور کپڑوں کو ہر آلائش سے بچاتا ہے۔ نماز سے پہلے وضو کرنے سے جسم کے وُہ حصّے جو عام طور پر ننگے رہتے ہیں پانچ دفعہ دھلتے ہیں۔ دانت صاف کئے جاتے ہیں، ناک میں پانی ڈالا جاتا ہے، اس سے نہ صرف انسانی جسم تروتازہ ہو جاتا ہے بلکہ رُوح کو بھی فرحت پہنچتی ہے۔ ہمارے دین میں مسواک سے دانتوں کی صفائی پر بہت زور دیا گیا ہے۔ اور آج کی جدید تحقیق نے یہ ثابت کردیا ہے کہ کوئی منجن، پیسٹ یا برش لکڑی کی تازہ مسواک سے بہتر نہیں ہے۔ اور دانت محفوظ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انسان درجنوں بیماریوں سے بچ گیا۔ ناک میں پانی ڈالنے کی مصلحت ملاحظہ کریں۔ کہ سانس کے ذریعے سے جمع ہونے والا گرد و غبار اور جراثیم دُھل جاتے ہیں۔ اس سے بھی ہم بہت سی بیماریوں سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔

صبح خیزی:- انگریزی کا ایک مشہور محاورہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ رات کو جلدی سونے اور صبح کو جلدی اٹھنے سے انسان، صحتمند، امیر اور عقلمند ہو جاتا ہے۔ ہمارے پڑھے لکھے دوست "صبح خیزی" کے فوائد پر گفتگو کرتے ہوئے اکثر اس کا حوالہ دیتے ہیں، اور اس میں کوئی شک بھی نہیں ہے۔ لیکن دیکھنے میں یہ

۱۔ EARLY TO BED, EARLY TO RISE MAKES THE MAN HEALTHY, WEALTHY WISE

آتا ہے کہ انگریزی کی اس ضرب المثل کا حوالہ دینے والے لوگ خود اس پر عمل کچھ کم ہی کرتے ہیں۔ اور جب عمل نہیں کریں گے تو ظاہر ہے اس کے فوائد سے بھی محروم رہیں گے۔

اَب ذرا دینِ فطرت، اسلام کی طرف آیئے۔ اور اس کے ستون یعنی نماز پر توجہ کیجئے۔ نمازی شخص اس محاورے کی مکمل تصویر ہوگا۔ اس کو فجر کی نماز پڑھنی ہے۔ لہٰذا منہ اندھیرے اُٹھے گا۔ عشاء کی نماز پڑھ کر جلدی سو جائے گا ظاہر ہے ایسے شخص کو اِن اچھی عادات کے فوائد یعنی صحت، دولت اور عقل میں سے بھی ضرور حصّہ ملے گا۔

ذرا فجر کی آذان کے الفاظ پر غور کیجئے:۔

اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ

ترجمہ: نماز سونے سے بہتر ہے۔

گویا کہ نماز دینی اور دنیوی رحمتوں کے خزانوں کا منہ کھول دیتی ہے کہ آؤ جس قدر جی چاہے سمیٹ کر لے جاؤ۔

پابندیٔ وقت:۔ وقت کی پابندی انسانی کامیابی کا راز ہے۔ وقت کی پابندی نہ کرنے والا سست اور کاہل ہو جاتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس قسم کا شخص دین و دنیا میں ناکام و نامراد ہوگا، اَب نماز کی طرف آیئے۔ اس کے اوقات مقرّر ہیں۔ اور وقت پر نماز کی ادائیگی کی بڑی تاکید کی گئی

ہے۔ باجماعت نماز کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس سے انسان وقت کا پابند ہو جاتا ہے۔ اور جو شخص نماز وقت پر پڑھے گا اس کے باقی کام بھی وقت پر ہوں گے۔ یوں اس کی زندگی میں ایک طرح کا ڈسپلن اور توازن آجائے گا۔ اور یہی ڈسپلن اور توازن انسانی کامیابی کا راز ہے۔ گویا کہ نماز میں پوشیدہ رحمتیں انسان کی دنیوی زندگی پر بھی اپنا سایہ ڈالتی ہیں۔

برائی کی راہ کی دیوار۔ قرآنِ حکیم کی سورہ العنکبوت میں خدائے بزرگ و برتر فرماتے ہیں کہ

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ؕ

ترجمہ: "بلاشبہ نماز بےحیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے"۔ (العنکبوت - 45)

گویا نماز انسان کے کردار کی اصلاح کی ضمانت ہے۔ جس نے نماز قائم کی۔ اسکے دل میں خدا کا خوف اُتر آیا۔ اور جب دل میں خدا کا خوف گھر کر جائے، تو پھر انسان بےحیائیوں اور برائیوں کے پاس بھی کیوں پھٹکنے لگا۔

تو صاحبو! نماز سے بڑی رحمت اور کیا ہو سکتی ہے۔ جو انسان کے لئے نیکی کے قلعے کی مانند ہے۔ جو اس کے حصار میں آگیا۔ وہ شیطان کے ہر وار سے محفوظ ہو گیا۔

الفت و محبّت۔ ایک اچھے معاشرے کے لئے یہ ضروری ہے کہ لوگوں

میں باہم محبت، پیار، خلوص اور بھائی چارہ پایا جاتا ہو۔ اسلام نے مسلمانوں میں یہ خصوصیات پیدا کرنے کے لئے مختلف طریقے اختیار کئے ہیں۔ جن میں سب سے اہم اور مؤثر نماز ہے۔ لوگ جب پانچ مرتبہ مسجد میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ تو باہمی تعارف حاصل ہوتا ہے۔ آپس میں محبت اور خلوص بڑھتا ہے۔ ایک دوسرے کے مسائل ومشکلات کا پتہ چلتا ہے اور مسلمان باہمی امداد اور تعاون کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ کوئی ایک وقت مسجد میں نہ آئے تو سب کو تشویش ہوتی ہے۔ کہ خدانخواستہ کسی مشکل میں گرفتار نہ ہوگیا ہو۔ یا پھر کہیں طبیعت خراب نہ ہو گئی ہو۔ اور لوگ دیوانہ وار اس کی عیادت اور حاجت روائی کے لئے لپکتے ہیں، غریبوں اور مسکینوں کو کسی کے آگے دستِ سوال دراز نہیں کرنا پڑتا بلکہ ان کے صاحبِ ثروت بھائی خود ہی اپنی تجوریوں کے منہ کھول دیتے ہیں۔

اطاعت اور ڈسپلن:۔ نماز کے گوناگوں فیوض وبرکات کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ یہ مسلمانوں میں اطاعت کا جذبہ پیدا کرتی ہے اور انہیں ڈسپلن کا عادی بناتی ہے، امیر وغریب اور شاہ وگدا کا ایک ہی صف میں کھڑے ہو جانا دنیوی فخر ومباہات کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتا ہے اور اللہ کے حضور مساوات کا ایک ایسا منظر پیش ہوتا ہے کہ دیگر مذاہب میں اس کی نظیر نہیں ہے۔

امام کی اطاعت سے جماعت میں نظم ونسق پیدا ہوتا ہے، جو مسلمانوں کی عملی زندگی پر بھی گہرے اثرات مرتب کرتا ہے، غرض نماز مسلمانوں کو انفرادی

ہی نہیں بلکہ اجتماعی زندگی میں بھی خداوند کریم کی بے شمار رحمتوں اور برکتوں کا ذریعہ بنتی ہے۔

دین میں تنگی نہیں

جیسا کہ قرآن حکیم کے حوالے سے بیان کیا جا چکا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے لئے دین میں تنگی نہیں رکھی بلکہ ہر طرح کی آسانیاں پیدا کی ہیں۔ اور کسی شخص پر اس کی ہمت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا جاتا۔

نبی اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان قرآنی احکامات کو اپنی تعلیمات کے اندر پوری طرح سے سمو دیا ہے احادیث کے مختلف مجموعے اٹھا کر دیکھ لیں۔ فرائض دین کی ادائیگی کے سلسلے میں مسلمانوں کی سہولت اور آسانی کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

غلو نہ کرو: نماز کے حوالے سے ہی دیکھیں۔ افضل ترین عبادت ہے۔ لیکن اس کی ادائیگی میں غلو سے منع فرمایا۔ حضور رسالتماب کی یہ شان ہے کہ آپ سراپا رحمت ہے۔ انسانوں کو سختی میں ڈالے بغیر اللہ کے نیک بندے اور معاشرہ کے مفید رکن بنا دیا۔ اس قسم کی ہلکی پھلکی عبادت کا حکم دیا کہ ہر کوئی کر سکے۔ اللہ سے ہر کوئی براہِ راست تعلق جوڑ سکے۔ اور عبادات پر کسی خاص گروہ یا فرقے کی اجارہ داری نہ ہو جائے۔

نوافل ترک : نبی کریمؐ رات کو کثرت سے نوافل پڑھتے تھے۔ رمضان شریف میں یہ سلسلہ کچھ زیادہ ہی لمبا ہو جاتا۔ صحابہ آپؐ کو نماز میں مشغول دیکھتے تو پیچھے آکر کھڑے ہو جاتے۔ اور یوں نوافل کی باجماعت ادائیگی شروع ہو گئی۔

حضور رسالتمابؐ نے ان کا یہ خضوع وخشوع دیکھا تو یہ سلسلہ ترک کر دیا۔ صحابہؓ نے اصرار کیا تو فرمایا،

"تمہارا ذوق و شوق دیکھ کر مجھے خطرہ ہو گیا کہ تم پر کہیں رات کے نوافل فرض نہ ہو جائیں۔ جنہیں تم ادا نہ کر سکو۔ اور اپنے نفسوں پر ظلم کرو۔ لہذا میں نے یہ سلسلہ ترک کر دیا۔

جسم کا حق : حضرت عثمان بن مظعونؓ ایک صحابی تھے۔ بے حد عبادت گذار، رات بھر نماز میں مشغول رہتے۔ جس سے جسم اکڑ جاتا اور پاؤں پر ورم آجاتا تھا۔ نبی کریمؐ کو علم ہوا تو بلا بھیجا اور فرمایا۔ "عثمان تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے۔ نماز بھی پڑھو اور سوؤ بھی۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں روایت ... ری رات نماز پڑھتے۔ رسولِ رحمتؐ نے انہیں بھی ایسا کرنے سے منع فرمایا۔

گویا کہ امت پر واضح کر دیا کہ عبادت میں افراط سے بچو اور اعتدال کی راہ اختیار کرو۔

۱۔ ابوداؤد

نماز ہلکی پڑھاؤ: حضور سرورِ کائنات کی حیاتِ مبارکہ کا ایک ایک لمحہ رحم و کرم سے بھرپور ہے۔ مسجد نبوی میں نماز پڑھاتے تو اس بات کا خیال رکھتے کہ زیادہ لمبی نہ ہو جائے۔ عورتیں بھی باجماعت نماز میں شامل ہوتی تھیں۔ نماز کے دوران اگر کسی بچے کے رونے کی آواز آتی تو قرأت مختصر کر دیتے تاکہ ماں کو تکلیف نہ پہنچے اور وہ جلدی فارغ ہو کر بچے کو سنبھال سکے[2]۔

اس ضمن میں آپؐ نے صحابہ کو بھی تلقین کی کہ

"جب تم میں سے کوئی شخص لوگوں کو نماز پڑھائے تو ہلکی پڑھائے اس لئے کہ ان میں کمزور، بیمار اور بوڑھے بھی ہوتے ہیں[3]"

نماز کو باجماعت ادا کرنے کی تاکید ہے۔ اور اسے واجب قرار دیا گیا۔ لیکن ساتھ ساتھ نرمی کا پہلو بھی کار فرما رہا۔ فرمایا کہ اگر جسمانی صحت مسجد تک جانے کی اجازت نہ دے یا پھر راستے میں کوئی خطرہ ہو تو گھر پہ نماز پڑھ لینا بھی جائز ہے۔ یہی نہیں بلکہ اگر کوئی شخص ان وجوہات کے بغیر بھی گھر پر نماز پڑھ لے تو نماز ادا ہو جائے گی۔ البتہ وہ باجماعت نماز کے ثواب اور برکات سے محروم رہے گا۔

ساری زمین مسجد: عبادت میں آسانی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کیلئے ساری زمین کو مسجد بنا دیا۔ اسلام کے برعکس ہندوؤں، عیسائیوں اور یہودیوں وغیرہ

۱۔ بخاری ۲۔ بخاری ۳۔ بخاری

کے ہاں عبادت ایک مخصوص جگہ پر ہی ہو سکتی تھی ۔ جس کی باقاعدہ تعمیر ہوتی، کوئی اسے مندر کہتا، کوئی معبد، کوئی بت خانہ ، تو کوئی کلیسا۔ لیکن حضور رحمت دوعالمؐ نے پوری روئے زمین کو مسجد قرار دے کر نماز کی ادائیگی میں حد درجہ آسانی پیدا کر دی ۔ جہاں پاک اور صاف جگہ دیکھو۔ خدا کے حضور سجدہ کر سکتے ہو ۔ اینٹ اور پتھر کے معبدوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ نماز کی ادائیگی کے لئے یہ سہولت امتِ مسلمہ پر بے شک اللہ اور اس کے رسولؐ کا بہت بڑا احسان ہے ۔

زکوٰۃ

مفہوم اور اہمیت : نماز کے بعد اسلام کا اہم رکن زکوٰۃ ہے ۔ یہ ایک طرح کا مالی نظام ہے ۔ جس کے ذریعے ضرورت مند مسلمانوں کی امداد کی جاتی ہے زکوٰۃ ایک طرح کا صدقہ بھی ہے ۔ اور یہ ہر اس مسلمان پر فرض ہے جو ایک خاص حد تک ، مال و دولت ، سونا ، چاندی ، جنس یا مال مویشی کا مالک ہو، مختلف اشیاء کے لئے شرح مختلف ہے ۔ بہرحال روپے پیسے اور زیورات پر اڑھائی فیصد سالانہ کے حساب سے زکوٰۃ دینے کا حکم ہے ۔

گو مختلف بزرگوں نے زکوٰۃ کو ارکانِ اسلام میں مختلف درجوں پر رکھا ہے لیکن اگر بنظر غائر دیکھیں تو یہ حقیقت کھُل کر سامنے آجاتی ہے کہ نماز کے بعد اہم ترین فریضہ زکوٰۃ ہی ہے ۔ قرآن حکیم میں جہاں جہاں نماز کا حکم آیا ہے

اس کے ساتھ ہی زکوٰۃ دینے کی تلقین کی گئی ہے، کم ازکم بیس ایسے مقامات تو ضرور ہیں، خود حضور رسالتمآبؐ نے بھی اپنی احادیث میں اسے نماز کے بعد اہم ترین عبادت قرار دیا ہے۔ وجہ یہ کہ، زکوٰۃ کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔ اس سے اللہ کے بندوں کی بھلائی ہوتی ہے۔ اور جس نے اللہ کے بندوں کو خوش کیا، اس نے اللہ کو خوش کر لیا، چنانچہ عبادات میں اسے خصوصی مقام دیا گیا ہے۔

زکوٰۃ، دیگر مذاہب میں: دیگر مذاہب کا مطالعہ کریں تو زکوٰۃ کا تصور ان کے ہاں بھی ملتا ہے۔ قرآنِ حکیم کی سورۂ مریم میں حضرت اسماعیلؑ کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے پسندیدہ نبی تھے اور لوگوں کو نماز اور زکوٰۃ کی تاکید کرتے تھے۔

حضرت موسیٰؑ کی امت، بنی اسرائیل پر زکوٰۃ فرض تھی۔ اس کا ثبوت بھی قرآنِ حکیم سے ملتا ہے۔ خاص طور پر سورۂ بقرہ میں اس کے متعلق واضح اشارات، موجود ہیں،

ارشاد ہوتا ہے:۔

اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ۔

ترجمہ: (ہم نے بنی اسرائیل سے وعدہ لیا تھا)، کہ نماز پڑھا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو (البقرہ [83])

سورہ مائدہ میں یوں ذکر ہے:۔

لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَیْتُمُ الزَّکٰوۃَ ٥

ترجمہ:۔ (اے بنی اسرائیل) اگر تم نماز قائم رکھتے اور زکوٰۃ دیتے رہتے (المائدۃ - 12)

عیسائیت کی طرف آئیں تو اُن کے ہاں بھی زکوٰۃ کا حکم ہے۔ ثبوت قرآن حکیم ہی میں موجود ہے۔ سورۂ مریم میں حضرت عیسیٰ کو زبانی کہلوایا گیا۔

وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ مَادُمْتُ حَیًّا ٥

ترجمہ:۔ اور اللہ نے مجھے زندگی بھر نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کی تاکید کی۔ (مریم - 31)

زکوٰۃ، اسلام میں

اللہ تبارک تعالٰی کو اپنے بندوں سے بے پناہ محبت ہے۔ اس سے بھی زیادہ، جتنی کہ والدین اپنی اولاد سے کرتے ہیں، یہ لگاؤ روزِ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ اسی لئے تمام انبیاء کی شریعتوں میں غریبوں اور مسکینوں کی فلاح کو یقینی بنایا گیا، لیکن اس نظام کو جو کاملیت اسلام نے دی وہ کسی اور دین کو نصیب نہ ہو سکی، باقی شریعتوں میں کہیں نہ کہیں خامی اور جھول موجود ہے لیکن شریعتِ محمدیؐ میں یہ ایک مکمل اور قابلِ عمل نظام کے طور پر سامنے آیا،

جنس یا نقدی کی صورت میں دو:۔ سابقہ شریعتوں میں رواج تھا کہ زکوٰۃ مستحقین میں براہِ راست تقسیم نہیں کی جاتی تھی، بلکہ اسے بیت المال

میں جمع کر لیا جاتا تھا اور پھر کھانا پکا کر غریبوں اور مسکینوں میں بانٹ دیا جاتا تھا، نتیجہ یہ نکلا کہ مستحقین کو پیٹ بھر کر کھانا تو مل جاتا مگر ان کی دیگر ضروریات دھری کی دھری رہ جاتیں، اگر کسی کے پاس پہننے کو کپڑا نہیں، رہنے کو مکان نہیں یا مزدوری کے لئے جانور نہیں، تو اس کا کوئی پرسانِ حال نہیں ہوتا تھا۔

حضور سرورِ کونین ؐ نے اس نظام کی اصلاح فرمائی اور حکم دیا کہ زکوٰۃ غلّہ یا رقم کی صورت میں مستحقین میں تقسیم کی جائے۔ تاکہ وہ جیسے مناسب سمجھیں، خرچ کریں،

اہلِ بیت کے لئے حرام: یہودیت میں زکوٰۃ پر نبی کے خاندان والوں کا حق بھی تسلیم کیا گیا تھا۔ نتیجتاً انبیاء کے دُور پرے کے رشتہ داروں میں محنت سے روزی کمانے کا جذبہ ختم ہو گیا۔ وُہ پیر اور متوّلی بن کر بیٹھ گئے۔ جو صدقہ، خیرات، زکوٰۃ جمع ہوتی، خود ہضم کر لیتے اور ضرورتمند منہ دیکھتے رہ جاتے۔

حضور رحمتِ دوعالم ؐ نے اس نقص کو یُوں دُور کیا کہ اپنے اور اپنے اہلِ بیت پر صدقات، خیرات اور زکوٰۃ وغیرہ کو حرام قرار دے دیا، تاکہ سب کچھ اُمّت پر خرچ آئے اور کسی کی جھولی خالی نہ رہے۔

غلو کی ممانعت: حضرت عیسٰی کی شریعت میں زکوٰۃ کے سلسلے میں

غلو سے کام لیا گیا ہے یعنی یہ کہ دولت کا کمانا اور جمع کرنا سرے سے ہی غلط ہے۔ دولت نجات کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ اگر کوئی اللہ کا قرب چاہتا ہے تو سب سے پہلے اُسے اپنے مال و دولت سے ہاتھ دھونا پڑیں گے اور اس نقطے کو واضح کرنے کے لئے ایک بڑی خوبصورت مثال بھی دی کہ اونٹ تو سوئی کے ناکے سے گذر سکتا ہے لیکن کوئی دولت مند اللہ کے دربار میں حاضر نہیں ہو سکتا۔

روایت ہے کہ کسی دولت مند شخص نے حضرت عیسیٰؑ سے نجات کا طریقہ پوچھا، تو کہا

"اس کا ایک ہی راستہ ہے۔ جاؤ اپنا سب مال و اسباب بیچ ڈالو اور مسکینوں میں تقسیم کردو۔ پھر میرے ہمراہ آؤ تو تمہیں اس نیکی کے صلے میں آسمانوں پر خزانہ ملے گا۔"

اس شخص نے جونہی یہ سُنا، چلتا بنا، اور نجات اور بخشش کا خیال دِل سے نکال دیا۔ ظاہر ہے کسی بھی دنیا دار شخص سے اس قسم کی قربانی کی توقع نہیں رکھی جا سکتی۔

بُدھ مت کا بھی دولت کے ساتھ کچھ اسی طرح کا رویّہ ہے، اس مذہب کے بانی مہاتما بدھ نے دُنیا کو دُکھوں کا گھر قرار دیا اور کہا کہ اگر نجات چاہتے ہو تو دُنیا کو ترک کر کے ویرانوں اور پہاڑوں کی طرف

نکل جاؤ ۔ دنیوی مال و دولت سے دامن چھڑالو ۔ بھوک پیاس پر قابو پانا سیکھو ۔ اور اگر بہت ہی بے بس ہو جاؤ تو بھیک کا پیالہ ہاتھ میں پکڑو اور کہیں سے مانگ لاؤ ۔

حضور سرورِ کائنات ؐ نے دولت کے بارے میں اس انتہا پسندی سے منع فرمایا، اسے خدا کی نعمت ، فضل اور کرم قرار دیا ۔ جائز طریقے سے دولت کمانے اور استعمال کرنے کی حوصلہ افزائی فرمائی سب کچھ لٹا کر گوشہ نشین ہوجانے سے منع کیا ۔ زکوٰۃ کی شرح معمولی مقرر کی تاکہ کسی پر بوجھ نہ ہو ۔ خیرات وصدقات میں بھی اعتدال کی تلقین فرمائی کہ غرباء اور مساکین کو ضرور دو ، مگر اس احتیاط کے ساتھ کہ تمہارے اہل وعیال مفلسی کا شکار نہ ہو جائیں ۔

ایک صحابی پر آخری وقت آیا ۔ تو چاہا کہ مرنے سے پہلے سب کچھ اللہ کی راہ میں خیرات کر دے ۔ آپؐ کو پتہ چلا تو منع فرمایا اور کہا کہ کچھ اپنے کنبے کے لئے بھی چھوڑ جاؤ مبادا کل وہ دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں[1]۔

زکوٰۃ کے مصارف :۔ زکوٰۃ کے مستحقین میں غرباء ، مساکین ، نادار معذور ، اپاہج ، یتیم اور بیوائیں سب شامل ہیں ۔ اسے مسافروں ، قیدیوں اور غلاموں کی فلاح کے لئے بھی خرچ کیا جا سکتا ہے ۔ یہ امتِ مسلمہ پر اللہ

1۔ بخاری

اور اس کے رسُول کا بڑا کرم ہے کہ یُوں اس کے مستحقین کی کفالت کا مستقل انتظام ہو گیا جس معاشرے میں غریبوں، مسکینوں، یتیموں اور بیواؤں کی خبرگیری کا بندوبست نہیں ہوتا، وہاں ان کی حالت قابلِ رحم ہوجاتی ہے۔ مُوت بس میں نہیں ہوتی اور زندگی عذاب بن جاتی ہے۔ لیکن اسلام نے زکوٰۃ اور صدقات کا مستقل مالی نظام قائم کرکے ایسے لوگوں کو معاشرے کا باعزّت رُکن بنا دیا۔ زکوٰۃ کو غلاموں کی آزادی کے لئے خرچ کرنے کی بھی اجازت دی۔ یُوں دُنیا سے اس لعنت کو ختم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ جناب رسالتمآبؐ اور خلفائے راشدین کے زمانے میں زکوٰۃ اور صدقات کا یہ نظام اس قدر کامیابی سے جاری تھا کہ دنیائے اسلام میں کوئی بھوکا ننگا نہ رہا۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ ڈھونڈے سے بھی خیرات یا زکوٰۃ قبول کرنے والا نہ ملتا تھا۔

عزّتِ نفس کا خیال:۔ انسان کی عزّتِ نفس کا خیال رکھنے کا خاص طور پر حکم دیا، جو دینا ہے چھپا کر دو تاکہ لینے والے پر کسی قسم کا احسان نہ ہو اور نہ ہی وہ دوسروں کے سامنے شرمندہ ہو اور اس حد تک احتیاط کرو کہ دایاں ہاتھ دے رہا ہے، تو بائیں کو خبر نہ ہو۔[1]

نمائش سے بچو:۔ دیتے وقت محض اللہ کی خوشنودی پیشِ نظر ہو۔ ذاتی نمود نمائش کا دل میں خیال تک نہ آئے۔

۱۔ مسلم

مگر ذرا آج کے زمانے پر نظر دوڑائیں، کیا ہمیں اس قسم کی احتیاط اور خلوص کہیں دکھائی دیتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ اب تو ہم نے زکوٰۃ اور خیرات کو نمود و نمائش اور تشہیر کا ذریعہ بنا لیا ہے۔ کسی حاجتمند کو دس روپے بھی دیں تو خواہش یہ ہوتی ہے کہ کسی طریقے سے اخبار میں تصویر آجائے۔ ہزار دو ہزار کا معاملہ ہو تو نوبت ریڈیو اور ٹی وی تک جا پہنچتی ہے۔ یوں بھی آج کل کے مسلمانوں کو مال و دولت کے ساتھ کچھ زیادہ ہی پیار ہے۔ زکوٰۃ ان پر گراں گزرتی ہے۔ سوچتے ہیں کہ سو میں سے اڑھائی دینے سے وہ مفلس ہو جائیں گے۔ یہ تو ان کی خام خیالی ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی سے مال نہ صرف پاک ہو جاتا ہے بلکہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس میں برکت بھی ڈال دیتے ہیں۔ لیکن ایک بات کا ہر حال میں خیال رہے کہ یہ سب کچھ محض اللہ اور اُس کے رسولؐ کی خوشنودی کے لئے ہونا چاہیئے۔ ضرورت مندوں کو احسانمند بنانے کی بجائے ہمیں تو سرکارِ دوجہاںؐ کا شکر گزار ہونا چاہیئے کہ جن کے صدقے امتِ مسلمہ پر اللہ کی بے پناہ رحمتیں اور برکتیں ہیں۔

روزہ

مفہوم:۔ روزہ اسلامی عبادات کا تیسرا رکن ہے۔ اور مسلمانوں پر رمضان المبارک کے مہینے کے روزے فرض ہیں۔ روزے کا مطلب یہ ہے کہ صبح صادق سے لیکر غروب آفتاب تک کھانے، پینے اور نفسانی خواہشوں سے باز رہا جائے۔ روزے

پہلی امتوں پر بھی فرض تھے اور اس عبادت کا مقصد ہمیں پرہیزگار بنانا ہے۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

ترجمہ:۔ اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں۔ جس طرح تم سے پہلی امتوں پر فرض کئے گئے تھے۔ تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ (البقرۃ۔183)

روزہ، دیگر مذاہب میں:۔ اگر مختلف مذاہب کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہمیں روزے کا تصور تقریباً سبھی میں ملتا ہے۔ یہودیوں میں روزہ فرض ہے۔ خود حضرت موسیٰؑ نے کوہِ طور پر چالیس دن بھوکے پیاسے گذارے۔ مگر وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ ان کے پیروکاروں نے اپنی طرف سے روزوں کی تعداد میں اضافہ کر لیا۔ وہ زیادہ تر غم کے روزے رکھتے اور اپنی شکل بھی غمزدہ بنا لیتے تھے۔

عیسائیوں کے ہاں بھی روزہ موجود ہے، خود حضرت عیسیٰؑ نے جنگل میں چالیس دن کا روزہ رکھا۔ قدیم مصری، یونانی اور پارسی بھی روزہ رکھتے تھے۔

ہندوستان کے تین مذاہب قابلِ ذکر ہیں۔ ہندومت، جین مت، بدھ مت، ہندوؤں میں روزہ موجود ہے لیکن یہ صرف اعلیٰ ذات کے برہمن رکھتے ہیں۔ یا پھر دُنیا سے الگ تھلگ پہاڑوں اور ویرانوں میں زندگی بسر کرنے والے جوگی۔ جوگی تو باقاعدہ چلّہ کشی کرتے ہیں یعنی چالیس دن تک کچھ نہیں کھاتے پیتے۔ جینیوں

کے ہاں بھی روزے کی شرائط بہت سخت ہیں۔ چالیس چالیس دن کی فاقہ کشی تو معمولی بات سمجھی جاتی ہے۔ یہی حال بدھوں کا ہے۔

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ دیگر مذاہب اور اسلام میں روزے کے تصوّر میں بنیادی فرق ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اگر ہم تکلیف اُٹھائیں تو خُدا خوش ہوتا ہے۔ اور جسم کو جس قدر زیادہ تکلیف دی جائے گی۔ اللہ اتنا ہی زیادہ خوش ہوگا۔ اُن کے ہاں روزہ کی غیر معمولی سختیاں اسی وجہ سے ہیں۔ یہودیوں کی الہامی کتاب تورات میں تو روزہ کے لئے باقاعدہ "جان کو دکھ دینے" کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔

روزہ، اسلام میں

حضور سرورِ کونین ؐ کی شریعت میں روزہ مسلمانوں کے لئے سراپا رحمت بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ خود خداوندکریم نے روزے کی فرضیت کے بیان کے ساتھ ہی فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ نرمی چاہتا ہوں سختی نہیں۔

اوقات کا تعیّن:۔ دیگر مذاہب میں روزوں کی تعداد زیادہ تھی اور اوقات لمبے تھے۔ اسلام نے تعداد کو صرف انتیس یا تیس اور وقت طلوعِ سحر سے غروبِ آفتاب تک مقرر کر دیا۔ شروع شروع میں لوگ سحری کھائے بغیر ہی روزہ رکھ لیتے تھے یا آدھی رات کے وقت سحری کھا لیتے تھے۔

حضورؐ کے زمانے کا واقعہ ہے کہ ایک صحابی نے سحری کھائے بغیر روزہ رکھ لیا۔

دن چڑھا تو بھوک اور پیاس کی شدت سے غش آگیا ۔ آپ کو پتہ چلا تو کھائے پیئے بغیر روزہ رکھنے سے سختی کے ساتھ منع کیا اور فرمایا کہ صبح کی سفیدی ظاہر ہونے تک کھایا پیا کرو۔

قمری مہینے کی حکمت:- ہمارے اوپر اللہ اور اس کے رسولؐ کا ایک احسان یہ بھی ہے کہ روزوں کے لئے قمری مہینہ مقرر کیا گیا۔ رمضان المبارک کے روزے رکھیں۔ خواہ یہ کسی موسم میں آئیں۔ اب یہ امتِ محمدیؐ کے لئے آسانی ہے کہ یہ مہینہ کبھی گرمیوں میں آتا ہے تو کبھی سردیوں میں۔ کبھی بہار کا موسم ہوتا ہے تو کبھی خزاں کا۔ جبکہ دوسرے مذاہب میں یہ سہولت نہیں۔ وہاں تو عام طور پر روزوں کا تعین شمسی کیلنڈر کے مطابق کیا جاتا ہے۔

استثنائی صورت:- امتِ مسلمہ پر خدائے بزرگ و برتر کا ایک کرم یہ بھی ہے کہ عبادت میں استثنائی صورت کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ روزہ ہی کو لیں، یہودیوں کے ہاں اس سلسلہ میں بے حد سختی تھی کہ مرد، عورت، چھوٹے، بڑے، مقیم، مسافر، تندرست، بیمار سبھی رکھیں۔ کسی کو کسی صورت میں معافی نہیں، اگر کوئی نہیں رکھے گا تو کٹ جائے گا یا قتل ہو جائے گا ان کے ہاں تو ایک اور عجیب رواج تھا کہ اگر کوئی غیر یہودی بھی روزوں کے دنوں ان کی بستی میں آجاتا تو اسے بھی لازماً روزے رکھنے پڑتے تھے۔

اس کے برعکس دینِ اسلام کی فطرت شناسی ملاحظہ ہو کہ ایسی کوئی پابندی

نہیں لگائی، بلکہ اجازت دی کہ بیمار، مسافر، دودھ پلانے والی عورت اور کمزور شخص اگر چاہے، تو روزہ قضا کر سکتا ہے۔ اور رمضان کے بعد جب چاہے چھوڑے ہوئے روزے پورے کرلے۔

جو کوئی شدید بیمار ہو، صحت کی بھی امید نہ ہو تو وہ ایک مسکین کو دو وقت کا کھانا کھلا کر روزے کا ثواب حاصل کر سکتا ہے۔ سبحان اللہ! حضور سرورِ دو جہاںؐ کی اُمت کے ساتھ یہ سہولت کچھ کم نہیں ہے۔

بھُول چُوک معاف:۔ اور آگے چلیں۔ رسولِ رحمتؐ نے اپنی اُمت کے لئے بھُول چُوک اور خطأ و نسیان کو بھی معاف فرمادیا۔

حدیث مبارک ہے:۔

"جو بھُول کر کھائے یا پئے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، کہ یہ تو خدا ہی کی روزی تھی![1]

اس کے علاوہ اگر کوئی ایسی بات ہو جائے۔ جس پر انسان کا بس نہیں تو روزہ برقرار رہتا ہے، مثال کے طور پر جان بوجھ کر قے کرنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ جبکہ یہی قے اگر اپنے آپ ہو جائے تو روزے پر کوئی آنچ نہیں آتی۔

غور کیجیئے۔ اگر یہ آسانی نہ ہوتی تو بعض اوقات کس قدر زحمت اٹھانا پڑتی

۱۔ ترمذی۔

گناہوں کا کفارہ: انسان خطا کا پتلا ہے۔ ہزار احتیاط کے باوجود غلطی کر بیٹھتا ہے۔ اگر یہی غلطی دین کے معاملے میں ہو جائے تو گناہ بن جاتی ہے۔ آخرت کی نجات کے لئے ضروری ہے کہ گناہ کم سے کم سرزد ہوں۔ لیکن اگر دانستہ یا نادانستہ طور پر ایسا ہو جائے۔ تو ہمارے مذہب میں اس کا کفارہ بھی موجود ہے۔

- مثال کے طور پر اگر کوئی شخص قسم کھائے اور پھر جان بوجھ کر توڑ دے تو اس پر لازم ہے۔ دس مسکینوں کو کھانا کھلائے یا ایک غلام کو آزاد کرے۔ اگر یہ نہ کر سکے تو تین دن کے روزے رکھے۔
- حج میں احرام کھولنے سے پہلے سر منڈانا منع ہے، اگر کسی وجہ سے ایسا کرنا پڑ جائے تو کفارہ کے طور پر روزہ رکھنے کا حکم ہے۔
- حج کے دنوں میں شکار کرنا منع ہے اگر کوئی جان بوجھ کر ایسا کرے تو اُسے اُسی طرح کے کسی جانور کی قربانی دینا پڑتی ہے۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو مسکینوں کو کھانا کھلائے یا پھر روزے رکھے۔

گویا کہ دیگر فیوض و برکات کے ساتھ ساتھ روزہ گناہوں سے نجات کا ذریعہ بھی ہے۔

اصلاحِ معاشرہ کا باعث: روزے سے معاشرے کی اصلاح ہوتی ہے۔ روزہ محض بھوک اور پیاس برداشت کرنے کا نام نہیں، بلکہ اس کا مقصد

مسلمانوں کو پرامن اور مہذب شہری بنانا بھی ہے۔

حضور سرورِ کونین ؐ نے فرمایا کہ روزہ برائیوں کے خلاف ڈھال کا کام دیتا ہے لیکن یہ اسی وقت تک کام دیتا ہے جب تک اس میں سوراخ نہ ہو جائے صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ! اس میں سوراخ کیسے ہوتا ہے۔ فرمایا جھوٹ اور غیبت سے۔

پھر فرمایا کہ روزہ دار کو بے ہودہ اور فحش باتیں نہیں کرنا چاہئیں۔ لڑائی جھگڑے سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی اسے گالی بھی بک دے تو جواب نہ دے اور صرف اتنا کہہ دے کہ بھائی میں روزے سے ہوں۔

یہ تو تصویر کا ایک رُخ ہے۔ روزے کی برکت سے جس معاشرے سے جھوٹ غیبت، لڑائی جھگڑا اور گالی گلوچ ختم ہو جائے تو پھر اس سرزمین پر تو جنت کو بھی رشک آئے گا۔

اب ذرا دوسرا پہلو ملاحظہ فرمائیں۔ دیگر عبادات کی طرح روزے میں بھی غریبوں اور مسکینوں کا بہت خیال رکھا گیا ہے۔ روزے کا بنیادی فلسفہ یہ ہے کہ روزوں میں ایک وقت کا خود کھاؤ اور دوسرے کا کسی مسکین کو دے دو۔ یہی نہیں بلکہ جن لوگوں کو روزہ کی چھوٹ ہے، انہیں حکم دیا کہ اس سہولت کے بدلے میں مسکینوں کو کھانا کھلائیں۔

گویا روزے نے ایک طرف سماجی امن کا خیال رکھا تو دوسری طرف

حاجتمندوں کی معاشی ضرورت کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔

سبحان اللہ! اسے کہتے ہیں۔ ہم خرما و ہم ثواب[1]: عبادت کا منشا بھی پورا ہوگیا اور دنیوی فلاح بھی پالی۔

طبی پہلو:۔ روزہ بنیادی طور پر عبادت کی ایک شکل ہے۔ اور اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہے۔ لیکن جدید تحقیق نے اس کے گوناگوں طبی فوائد کو بھی تسلیم کیا ہے۔ ماہرین کہتے ہیں کہ بعض بیماریوں میں انسان کا بھوکا رہنا بھی صحت کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ سال میں ایک ماہ کے روزے ہمیں تندرست و توانا رکھتے ہیں، آج کے مہذب دور میں لوگ جسم کو متناسب رکھنے کے لئے بھوکے رہتے ہیں اور اسے ڈائٹنگ[2] کا نام دے رکھا ہے۔ خدائے بزرگ و برتر اور اس کے رسول کا امت مسلمہ پر کس قدر احسان ہے کہ جسم کی اس ضرورت کو عبادت کا درجہ دے دیا ہے۔

افراط کی ممانعت: آخر میں یہ بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ روزے کے سلسلے میں بھی اللہ اور اس کے رسولؐ نے توازن اور اعتدال کی تلقین کی ہے۔ افراط سے منع کیا ہے۔

احادیث کی کتب میں کئی ایسے واقعات ملتے ہیں۔ جب رسولِؐ خدا نے روزے کے سلسلے میں اپنی جانوں پر سختی کرنے سے منع فرمایا۔ یہاں پر

۱۔ فارسی محاورہ۔ ترجمہ: آم کے آم گٹھلیوں کے دام

2- DIETING

صرف دو واقعات پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

۱۔ حضرت عبداللہؓ بن عمرو نہایت عبادت گذار صحابی تھے۔ اکثر روزے سے رہتے۔ بیوی بچوں کا کوئی خیال نہیں تھا۔ آپؐ کو پتہ چلا تو بلا بھیجا اور پوچھا کہ کیا یہ خبر درست ہے۔ تصدیق ہو جانے پر فرمایا کہ تم پر تمہارے جسم اور بال بچوں کا بھی حق ہے۔ مہینے میں تین روزے رکھ لیا کرو۔ عبداللہؓ نے عرض کی یا رسول اللہؐ! مجھ میں اس سے زیادہ سکت ہے۔ تو فرمایا۔ اچھا پھر ہر تیسرے روز روزہ رکھو۔ عبداللہؓ نے اصرار کیا کہ اس میں اس سے بھی زیادہ طاقت ہے تو فرمایا ایک دن افطار کرو اور ایک دن روزہ رکھو اس سے زیادہ ہرگز نہ کرنا۔[۱]

2۔ دوسرا واقعہ قبیلہ باہلہ کے ایک شخص کا ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ہدایت پائی۔ دل پر کچھ اس قدر اثر ہوا کہ دن رات عبادت میں ایک کر دیئے۔ زیادہ زور روزوں پر تھا۔ برابر روزے رکھتا تھا مسلسل فاقہ کشی سے صحت جواب دے گئی۔ بال سفید ہو گئے اور اچھا بھلا صحت مند شخص ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گیا۔ سال بعد دوبارہ جناب رسالتمآبؐ کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقعہ ملا تو آپؐ کو پہچاننے میں دشواری پیش آئی تعارف کرائے جانے پر فرمایا تم تو اچھے خاصے صحتمند اور خوب صورت انسان

۱۔ بخاری

تھے۔ یہ تمہیں کیا ہو گیا۔ جب پتہ چلا کہ یہ حالت مسلسل روزوں کی وجہ سے ہوئی ہے تو فرمایا اپنی جان کو اس قدر عذاب میں کیوں ڈالتے ہو؟ اگر زیادہ ہی شوق ہے تو رمضان کے علاوہ ہر مہینے ایک دن کا روزہ رکھ لیا کرو۔[۱]

حج

مفہوم اور اہمیّت:۔

حج اسلامی عبادات کا چوتھا رکن ہے۔ اس کے لفظی معنیٰ ارادہ کے ہیں اور اس کے اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ اسلامی کیلنڈر کے آخری مہینے "ذی الحج" کے پہلے عشرے میں سعودی عرب کے شہر مکّہ معظمہ جائیں اور شہر کے مختلف مقدّس مقامات پر حاضری دیکر کچھ افعال اور عبادات مخصوص طریقے سے انجام دیں۔ ان میں خانہ کعبہ کا طواف اور قربانی بھی شامل ہے۔ حج ایک فرض عبادت ہے۔ بے پناہ روحانی، سماجی، معاشی، سیاسی اور اخلاقی فوائد کی حامل ہے، لیکن اس کی فرضیّت کے سلسلے میں بھی اُمّت کی سہولت کا خیال رکھا گیا ہے۔ اور یہ صرف اس عاقل اور بالغ مسلمان پر فرض ہے جو زادِ راہ رکھتا ہو، اس کا مطلب یہ ہے کہ گھر کے ضروری اخراجات کے علاوہ اس کے پاس اس قدر رقم ہو کہ حج پر جا سکے، پھر یہ عبادت زندگی میں صرف ایک بار فرض ہے۔

۱۔ بخاری

اسلامی اصلاحات بسلسلۂ حج

دیگر عبادات کی طرح حج کا تصور بھی قدیم مذاہب میں موجود تھا لیکن وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں نے حج کو عجیب وغریب رسومات کا مجموعہ بنا لیا تھا، عبادت کرنے کی بجائے وہ اس موقع پر اپنے آباؤ اجداد کے قصے فخریہ انداز میں بیان کرتے۔ اسلام نے لوگوں کو اِن فضول باتوں سے منع کیا اور حکم دیا کہ اس مبارک موقع پر اپنے آباؤ اجداد کی بجائے اللہ کا ذکر کرو، اور اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔

قربانی کا گوشت جائز ہے:-

اسلام سے پہلے لوگ قربانی کے گوشت کو استعمال میں لانا گناہ سمجھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ قربانی چونکہ اللہ کے لئے کی گئی ہے۔ لہٰذا اس سے کسی قسم کا فائدہ نہیں اٹھانا چاہیئے۔ یہود میں تو رسم تھی کہ گوشت جلا دیتے اور خون خانہ کعبہ کی دیواروں پر مل دیتے۔

حضور سرورِ کونینؐ نے ان فضول رسموں کا خاتمہ کیا اور لوگوں کو بتایا کہ قربانی کا گوشت کھانا، گناہ نہیں، بلکہ ثواب ہے اور اس کا تو مقصد ہی یہ ہے کہ اس سے اللہ کے بندوں کی ضیافت ہو، وہ نادار مسلمان جنہیں یہ نعمت عام دنوں میں نصیب نہیں ہوتی حج کے موقع پر دل کھول کر کھائیں۔ یہی نہیں اگر

سُکھا کر محفوظ بھی کرلیں تو کوئی حرج نہیں ۔ نیز اُمّت پر یہ بھی واضح کردیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو قربانی کے خون اور گوشت سے کوئی سرورکار نہیں ، وہ تو محض تمہاری نیّت اور نیکی کو دیکھتے ہیں ۔

اذیّت بے فائدہ ہے :۔ جیساکہ پچھلے صفحات میں بیان کیا جاچکا ہے ، اسلام سے قبل لوگوں نے سختی اور اذیت کو عبادت کا لازمی جزو بنالیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ جب تک تکلیف نہ اٹھائی جائے ، اللہ راضی نہیں ہوتا۔ روزے کی طرح حج میں بھی اذیت کا یہ تصوّر کچھ زیادہ ہی موجود تھا - اچھّے بھلے کھاتے پیتے لوگ پیدل حج پر جاتے ، جانور ہمراہ ہوتا لیکن سواری نہ کرتے مقصد یہ کہ اپنی جان کو زیادہ سے زیادہ مشقّت میں ڈالا جائے ۔ نبیُ رحمت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اس قسم کے ٹوٹکوں سے منع فرمایا۔

سوار ہوکر جاؤ :۔ (۱) ایک دفعہ آپؐ نے ایک نہایت ضعیف آدمی کو دیکھا کہ چلنے پھرنے سے لاچار ہے ۔ بمشکل ٹانگیں گھسیٹ رہا ہے ۔ دو جوان بیٹے ہمراہ ہیں۔ باپ کو بازوؤں سے تھاما ہوُا ہے ، مبادا کہیں گر جائے ۔ لطف کی بات یہ کہ ایک خالی اونٹ پیچھے چلا آرہا ہے ۔ حضورؐ نے یہ منظر دیکھا تو حیران ہوئے ۔ بزرگ آدمی کے پاس گئے اور پوچھا باباجی ! کیا ماجرا ہے۔ اپنے آپ کو اس قدر اذیّت میں کیوں ڈال رکھا ہے ۔ بوڑھا بولا ۔ جناب ! پیدل حج کرنے کی منت مانی تھی ۔ لہٰذا اس حال میں پوری کر رہا ہوں ۔

حضور سرورِ کونین ؐ نے اظہارِ افسوس کیا اور فرمایا ، اللہ اس سے بے نیاز ہے کہ کوئی اپنی جان کو عذاب میں ڈالے ۔ ناشکر گذاری کیوں کرتے ہو ، سواری ہمراہ ہے تو سوار ہوکر جاؤ ![1]

(۲) اسی طرح قربانی کے جانور پر سواری کو بھی معیوب خیال کیا جاتا تھا آپ ؐ نے ایک شخص کو دیکھا کہ پا پیادہ جا رہا ہے اور خالی اونٹ ہمراہ ہے دریافت کیا تو عرض کی یا رسول اللہ ؐ ! حج پر جا رہا ہوں ، یہ قربانی کا اُونٹ ہے ۔ ڈرتا ہوں کہ اس پر سوار ہونے سے کہیں گنہگار نہ ہو جاؤں ، آپ ؐ نے اس کے اس وسوسے کو دُور کیا اور تین بار تاکید فرمائی کہ خانہ کعبہ تک اونٹ پر سوار ہو کر جائیے[2]۔

بے فائدہ پریشانی:۔ اس قسم کی فضول رسومات میں عورتیں بھی مردوں سے پیچھے نہ تھیں ۔ ایک مرتبہ آپ ؐ نے حج کے موقعہ پر ایک خاتون کو دیکھا کہ دیوانوں کی حالت بنا رکھی ہے ۔ بال کھلے ہیں اور مٹی سے اَٹے ہوئے ننگے پاؤں عجیب پریشانی کے عالم میں چلی جا رہی ہے ، پوچھنے پر پتہ چلا کہ یوں حج کرنے کی منت مانی تھی ۔ حضور سرورِ کائنات ؐ نے فرمایا ، کہ خدا اس پریشان حالی کا تو کوئی معاوضہ نہیں دیگا ۔ اُسے چاہیئے کہ سر کو دوپٹے سے ڈھکے اور سوار ہو کر جائے[3] ۔

۱۔ ترمذی 2 ۔ بخاری 3 ۔ بخاری

نکیل کٹوادی:۔ حج کے موقع پر لوگ اپنے آپ کو عجیب عجیب طریقوں سے تکلیف پہنچاتے تھے۔ ایک دفعہ رسول خداؐ نے ایک شخص کو دیکھا کہ ناک میں نکیل ڈالی ہوئی ہے۔ رسّی دوسرے آدمی نے تھام رکھی ہے۔ زخم سے خون بہہ رہا ہے۔ اور یوں وہ نہایت اذیّت کی حالت میں طواف کر رہا ہے۔ آپؐ نے سخت ناگواری کا اظہار فرمایا اور نکیل کٹوادی[1]

شکنجہ کھلوادیا:۔ پھر آپؐ نے ایک مرتبہ دو آدمیوں کو دیکھا کہ ایک شکنجے میں اکٹھے بندھے طواف کر رہے ہیں۔ پوچھنے پر پتہ چلا کہ یوں حج کرنے کی منت مانی تھی۔ آپؐ نے شکنجہ کھلوادیا اور ایسی منتیں ماننے سے منع فرمایا۔

یوں جنابِ مصطفےٰؐ نے حج کو جملہ توہمات اور غلط رسومات سے آزاد کر کے اسے اپنی امت کے لئے برکتوں اور رحمتوں کا ذریعہ بنا دیا۔

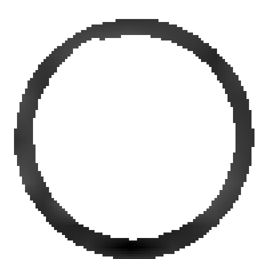
حج میں تجارت جائز ہے:۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کا مسلمانوں پر یہ خاص کرم ہے کہ اُمت کی معاشی ضرورتوں کو کبھی فراموش نہیں کیا گیا۔ دین اور دنیا کو یوں ساتھ ساتھ رکھا ہے کہ تمیز کرنا مشکل ہو جاتی ہے۔ زمانہ جاہلیت میں حج کے دنوں تجارت منع تھی۔ اسلام آیا تو یہ بندش ختم ہوگئی۔ حُکم ہُوا کہ حج کے زمانے میں بھی اللہ کا فضل تلاش کر سکتے ہو یعنی کاروبار اور تجارت وغیرہ کر سکتے ہو۔ نتیجہ یہ نکلا کہ حج کی رونقوں میں اضافہ ہو گیا،

۱۔ نسائی

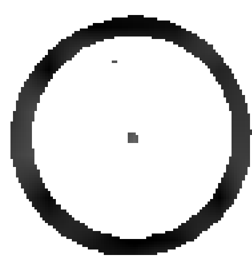
اور تجارتی منڈیاں بھی سونی نہ ہوئیں۔

اسلام کو دینِ کامل یونہی نہیں کہتے۔ انسان کی جسمانی، ذہنی، روحانی، معاشی اور جذباتی ضروریات کا خیال جس قدر اس دین نے رکھا۔ باقیوں میں اس کا عشرِ عشیر بھی نہیں۔ اور یہ سب ہمیں اس لئے نصیب ہوا کہ ہم سرورِ کائنات، رحمتِ دو عالم حضرت محمد مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی اُمّت میں سے ہیں یہ محض اسی نسبت کا صدقہ ہے کہ ہم پر خدائے بزرگ و برتر کی اس قدر رحمتیں، برکتیں، نوازشیں اور مہربانیاں ہیں۔

ساتواں باب



رحمۃ للعالمین



رحمۃ للعالمین

رحمت کیا ہے:۔ لغت میں رحمت کے بنیادی معنی نرم دلی اور محبت کے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ننانوے صفاتی ناموں میں سب سے زیادہ استعمال ہونے والے نام رحمٰن (بہت رحم والا) اور رحیم (رحم سے بھرا ہوا) ہیں۔
ہم ہر اچھا کام کرنے سے پہلے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھتے ہیں کبھی آپ نے اس کے معانی پر غور کیا۔

"شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بہت مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے"

گویا کہ بِسْمِ اللّٰہ، رَحْمٰن اور رَحِیْم کی تفسیر ہے، اور یہ دونوں صفات بڑی حد تک ہم معنی ہیں۔ قرآن حکیم میں جگہ جگہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی ان صفات کا ذکر ہوتا ہے۔

سورہ حشر میں ارشاد ہوتا ہے۔

هُوَالرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ترجمہ:۔ وہی رحم والا مہربان ہے۔

مسلمانوں کو تلقین کی کہ اپنی دعاؤں میں اپنے مالک وخالق کو یوں یاد کریں۔

وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ

ترجمہ:- اور تو رحم کرنے والوں میں سب سے افضل ہے (مومنون - 6)

فرشتے اپنی دعاؤں میں اللہ کو مخاطب کر کے کہتے ہیں۔

رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا۔

ترجمہ:- اے ہمارے پروردگار، تو نے اپنی رحمت اور علم میں ہر چیز کو سمو لیا ہے۔

اور پھر اللہ تعالیٰ سورۂ الاعراف میں فرماتے ہیں۔

وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ

ترجمہ:- میری رحمت دنیا کی ہر چیز کو گھیرے میں لئے ہوئے ہے۔

قرآنِ حکیم میں 'رحمت' کا لفظ اپنے بنیادی معنوں کے علاوہ مجازی معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے۔ اسے مغفرت۔ لطف و احسان، نیکی، رزق، نبوت، ہدایت اور علم وغیرہ کے معنوں میں بھی استعمال کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ایک جگہ پر بادلوں کو اللہ کی رحمت اور خود قرآن حکیم کو شفا اور رحمت کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ گویا کہ رحمت ایک وسیع اصطلاح ہے اور دنیا بھر کی نیکیوں اور اخلاقِ حسنہ کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔

منبع رحمت، خدا کی ذات ہے:۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ دنیا بھر میں ہمیں جہاں کہیں بھی بھلائی نیکی اور رحمت کے آثار نظر آئیں، تو

سمجھ لیں کہ یہ خدائے بزرگ و برتر کی شانِ رحیمی اور کریمی کا پَرتو ہیں یعنی عکس یا سایہ ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ

"خدا نے رحمت کے سو ٹکڑے کئے، ننانوے اپنے پاس رکھ لیے اور صرف ایک ٹکڑا زمین پر بھیجا، اور یہ اسی ایک ٹکڑے کی برکت ہے کہ لوگ آپس میں رحیم اور شفیق ہیں، یہاں تک کہ گھوڑا اس خوف سے اپنے بچے پر پاؤں نہیں رکھتا، کہ کہیں اسے تکلیف نہ پہنچ جائے۔"[1]

یہ اللہ کی شانِ رحیمی ہی ہے کہ اسے اپنے بندوں سے بے پناہ محبت ہے بچے سے ماں کی محبت مثالی ہوتی ہے۔ لیکن ذاتِ حق کو اپنے بندوں سے اس سے بھی زیادہ محبت ہے۔ وضاحت کے لئے ایک حدیث شریف نقل ہے کہ

"لڑائی کا میدان گرم ہے، دشمنوں میں بھاگ دوڑ مچی ہوئی ہے ہر کوئی جان بچانے کی فکر میں ہے۔ اس نفسا نفسی کے عالم میں بھائی، بھائی سے ماں، بچے سے اور بچہ ماں سے الگ ہے۔ ایسے میں ایک عورت کا بچہ گم ہو جاتا ہے۔ ممتا کی ماری ماں غم سے نڈھال ہے۔ ہر سامنے آنے والے بچے کو اپنا بچہ سمجھ کر صدقے واری جاتی ہے اور دودھ پلانے کے لئے لپکتی ہے، گویا کہ دیوانی ہو رہی ہے۔ حضور سرورِ کونین یہ رقت انگیز منظر دیکھتے ہیں

۱۔ بخاری

تو صحابہ سے مخاطب ہوکر پوچھتے ہیں کہ کیا یہ عورت اپنے ہاتھوں اپنے بچے کو آگ میں ڈال سکتی ہے۔ صحابہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ یہ قطعی ناممکن ہے وہ تو اس کی تلاش میں باؤلی ہوتی جا رہی ہے۔ وہ بھلا ایسا کیونکر کرنے لگی۔

حضور رسالتمآبؐ نے فرمایا۔ یاد رکھو! جتنی محبّت ماں کو اپنے بچے سے ہے، خدا کو اپنے بندوں سے اس سے کہیں زیادہ ہے!

کچھ عرصہ بعد کا واقعہ ہے کہ آپؐ ایک غزوہ سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ راہ میں ایک عورت ملی، گود میں بچہ اٹھائے ہوئے تھی۔ اس کی طرف اشارہ کرکے کہنے لگی، یا رسولؐ اللہ! کیا یہ درست ہے کہ ایک ماں کو اپنی اولاد سے جس قدر محبت ہوتی ہے۔ اللہ کو اپنے بندوں سے اس سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا، بے شک یہ درست ہے۔ اس پر خاتون بولی مگر کوئی ماں تو اپنی اولاد کو آگ میں ڈالنا گوارا نہیں کرسکتی۔

اشارہ واضح تھا، یعنی اگر اللہ کو اپنے بندوں سے ان کی ماؤں سے بھی زیادہ محبّت ہے، تو پھر دوزخ کا عذاب کیوں؟ اور جہنم کا خوف کیوں؟

یہ سُن کر آپؐ تڑپ اُٹھے، آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ گھٹنوں پہ سر رکھ لیا۔ تھوڑی دیر بعد چہرہ مبارک اوپر کیا اور فرمایا، خدا صرف اس شخص کو عذاب دیگا جو سرکش ہے، ایک کو دو کہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات میں کسی دوسرے کو شامل کرتا ہے۔[2]

اللہ تبارک وتعالیٰ کی شانِ رحیمی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ہمارے عیبوں اور گناہوں کی پردہ پوشی کرتا ہے۔ انجانے میں سرزد ہونے والی کوتاہیوں اور لغزشوں سے درگذر فرماتا ہے۔ پھر انسان پر سے گناہوں کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے توبہ کی راہ بھی دکھادی۔ سچے دل سے کی گئی توبہ بڑے سے بڑے گناہ سے معافی کا ذریعہ بن سکتی ہے۔

سب انبیاء رحمت ہیں :- خدائے بزرگ و برتر کی شانِ رحیمی اور کریمی کے اس بیان کے بعد یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہر نبی اپنی قوم کیلئے رحمت بن کر آتا ہے۔ ظلمت اور جہالت میں بھٹکتی قوم کو سیدھی راہ دکھاتا ہے۔ اللہ کی ہدایت کو اس کے بندوں تک پہنچاتا ہے۔ نبی کے وجود کی برکت سے بھٹکی ہوئی مخلوق راہِ راست پر آجاتی ہے۔ اللہ اور بندوں کے درمیان رابطہ قائم ہوتا ہے۔ اور پھر خالق و مالک کی بے شمار نعمتیں ان کا مقدر بن جاتی ہیں۔ جن میں سب سے اعلیٰ و افضل ہدایت ہے۔ جسے پاکر وہ دین و دنیا میں سرخرو ہوتے ہیں، پس ثابت ہوا کہ تمام انبیاء کرام اپنے اپنے وقتوں میں اپنی امتوں کی طرف رحمت بن کر آئے۔

رحمۃ للعالمینؐ :- حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سراپا رحمت ہیں۔ آپؐ کی رحمت اور سابقہ انبیاء کی رحمت میں فرق ہے، کہ وہ خاص امتوں اور خاص زمانوں کے لئے مبعوث ہوئے تھے، جبکہ حضور سرورِ کونینؐ کی ذات

اقدس تمام جہانوں، سب امتوں اور سب زمانوں کے لئے ذریعہ ہدایت ہے۔ آپؐ آخری نبی ہیں، اور قیامت تک کائنات آپؐ ہی کے سایۂ رحمت میں رہے گی۔ آپؐ کی رحمت دنیا میں بسنے والے سب لوگوں کے لئے ہے۔ خواہ وہ کسی رنگ ونسل، یا مذہب وملت سے تعلق رکھتے ہوں مومن وکافر بھی اس کے دامن میں پناہ لئے ہوئے ہیں۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپؐ بیک وقت مومنوں اور کافروں کے لئے رحمت کیسے بن گئے۔ وہ یوں کہ مومنوں کو آپؐ کے ذریعے سیدھی راہ نصیب ہوئی وہ آپؐ کی تعلیمات پر ایمان لائے اور نجات پا گئے۔

کافروں کے لئے رحمت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان پر سے وہ عذاب اور آزمائشیں ہٹا دی گئیں، جو رسولوں کی نافرمانی پر پہلی امتوں پر نازل ہوتی تھیں۔ پہلے تو یوں ہوتا تھا، کہ اِدھر کسی اُمّت نے رسول کو جھٹلایا یا خدا کے احکامات کی نافرمانی کی۔ اُدھر عذاب نے آلیا۔ قرآن حکیم کا مطالعہ کریں تو بہت سی ایسی قوموں اور اُمتوں کا پتہ چلتا ہے جو اپنی نافرمانیوں اور گستاخیوں کی وجہ سے تباہ وبرباد ہوگئیں۔

قرآن حکیم میں حضور نبی اکرمؐ کی شانِ رحمت کا جگہ جگہ ذکر ہے۔

سورۃ توبہ میں ارشاد ہوتا ہے۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ

حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

ترجمہ:۔ تمہارے پاس اللہ کے ایک رسولؐ آئے ہیں ۔ جو تمہیں میں سے ہیں، تمہارے رنج و پریشانی سے انہیں بہت تکلیف ہوتی ہے، وہ تمہاری بھلائی کے بڑے ہی خواہشمند ہیں ۔ وہ مومنوں کے لئے سراپا شفقت اور رحمت ہیں ۔

(مومنوں کے لئے ہی نہیں بلکہ حضورؐ کا دل تو کفار کے لئے بھی کڑھتا ہے)

سورۃ کہف میں ارشاد ہوتا ہے ۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۔

ترجمہ:۔ کہ اے نبیؐ آپ کی حالت تو ایسی ہو گئی ہے کہ اگر یہ لوگ بات نہ مانتے، (یعنی ایمان نہ لائے) تو آپؐ افسوس کے مارے، ان کے پیچھے اپنی جان کو بھی ہلاکت میں ڈال دیں گے ۔ (کہف ۔ 6)

تمام دنیا کے لئے رحمت ہونے کی بشارت بھی قرآن حکیم ہی میں ملتی ہے سورۂ انبیاء کی بہت ہی مشہور آیت ہے ۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۔

ترجمہ:۔ (اے نبیؐ) ہم نے آپؐ کو تمام دنیا کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے (انبیاء ۔ 107)

قرآن حکیم کے ساتھ ساتھ بے شمار احادیث میں بھی حضورؐ کی شانِ رحمت کا ذکر ملتا ہے ۔

ایک دفعہ حضرت رسول اکرمؐ سے مشرکین کے لئے بد دعا کرنے کے لئے کہا گیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں اس لئے نہیں بھیجا گیا کہ لوگوں پر لعنت بھیجوں بلکہ میں تو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں[1]۔ (تفصیلات باب "رسول رحمت۔ دشمنوں کیلئے" میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

ایک اور حدیث مبارک ہے کہ

حضورؐ نے فرمایا مجھے اللہ نے تمام جہانوں کے لئے رحمت اور ذمہ داری محسوس کرنے والوں کے لئے نور ہدایت بنا کر بھیجا ہے۔

حضور نبی کریمؐ نے رحمت کی اس صفت کو اپنی امت کے لئے بھی پسند فرمایا اور مسلمانوں کو تلقین کی اسے اپنی روزمرّہ زندگی کا خاصہ بنائیں۔ قرآن حکیم میں بھی مومنین کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ آپس میں رحم دل اور کافروں کے لئے سخت ہوتے ہیں[2]۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ:۔ یہاں پر ایک غلط فہمی کا ازالہ ضروری محسوس ہوتا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضور سرورِ کونینؐ کی فطرت میں نفرت، غصّے اور انتقام کے جذبات سرے سے موجود ہی نہیں تھے، یہ محض غلط فہمی ہے، جناب رسالتمآبؐ کی طبیعت میں غصّہ موجود تھا اور اس کا ثبوت بھی ہمیں ایک حدیث ہی سے مل جاتا ہے۔

1۔ مسلم 2۔ بحوالہ سورۃ فتح

حضرت سلمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ اگر میںؐ نے اپنی امت میں سے کسی شخص کو غصے میں برا بھلا کہا یا لعنت ملامت کی، تو واضح رہے کہ میں بنی آدم ہوں۔ مجھے بھی تمہاری طرح غصہ آتا ہے، البتہ میں تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں[1]"

مطلب یہ ہوا کہ جناب رسالتمآبؐ نفرت، غصے اور انتقام کے جذبات کو پوری طرح محسوس کرتے تھے۔ لیکن شانِ رحمت کا تقاضا یہ تھا کہ روز مرہ زندگی میں ان کا عمل دخل نہ ہو۔ آپؐ کی زندگی میں غصہ ضرور آیا، مگر پی لیا، نفرت کے مقامات بھی آئے۔ لیکن اسے محبت میں بدل دیا، ایسے مواقع بھی آئے کہ انتقام بنتا بھی تھا اور لینے کی قدرت بھی تھی۔ مگر معاف کر دیا۔ ان جذبات پر یوں قابو پالینا، حضور سرورِ کونینؐ ہی کا حصہ ہے۔ اور یہ آپؐ کی شانِ رحمت کا تقاضا ہی نہیں، جزوِ لازم بھی ہے۔

رحمۃ للعالمینؐ غیروں کی نظر میں

خدائے بزرگ و برتر کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہمیں اسلام کی دولت سے

۱۔ ابوداؤد۔ شارحین حدیث اس بات پر متفق ہیں کہ یہ حدیث کسی خاص واقعے کی تصدیق یا تردید کے لئے نہیں۔ اور نہ ہی اس سے یہ مطلب لیا جا سکتا ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے واقعی کسی پر لعنت ملامت کی۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپؐ کے رحمۃ للعالمینؐ ہونے سے آپؐ کی بشریت کی نفی نہیں ہوتی۔

مالا مال کیا، حضور سرورِ کونینؐ کا اُمّتی بنایا۔ جنابِ رسالتمآبؐ کے ساتھ یہ رشتہ ایک عظیم نعمت سے کم نہیں۔ اس کے لئے ہم ذاتِ حق کے جس قدر احسان مند ہوں، کم ہے۔

ہر مسلمان حضور سرورِ عالمؐ سے بے پناہ محبت اور عقیدت رکھتا ہے۔ یہ اس کے ایمان کی بنیاد ہے۔ ہر کوئی اپنے علم اور عقل کے مطابق اس عظیم ہستی کے ساتھ محبت اور عقیدت کا اظہار بھی کرتا ہے۔ کسی کو قدرت نے طبع رواں بخشی، تو وہ شاعری کرنے لگا، اور نعت لکھ کر محسنِ کائناتؐ کے حضور ہدیۂ عقیدت پیش کیا۔ کسی کو نثر میں یہ قدرت ہوئی، تو سیرت نگار بن گیا، اور یوں عقیدت کے پھول نچھاور کئے۔ اور پھر انہیں صفوں میں غازی علم الدّین شہیدؒ جیسے عاشقانِ رسولؐ بھی ہیں، جو حُبِّ رسولؐ میں جان کا نذرانہ بھی ہنس کر پیش کر دیتے ہیں۔

ذرا غور کریں، تو ایک بات کھٹکتی ہے کہ حضور سرورِ کائناتؐ رحمۃ للعالمینؐ سے محبت اور عقیدت ہمارے عقیدے کا لازمی جزو ہے، حضورؐ کے ساتھ محبت اور چاہت رکھے بغیر کوئی شخص مسلمان ہی نہیں ہو سکتا۔ ہم اگر ایسا کرتے ہیں تو مذہبی عقیدت کے تحت اور اخروی نجات کے لئے۔

لیکن یہ عجیب بات ہے کہ حضور سرورِ کائناتؐ کی فضیلت اور عظمت کو غیر مسلموں نے بھی تسلیم کیا ہے۔ ان میں یورپ کے عیسائی بھی ہیں، اور

ہندوستان کے ہندو سکھ اور بدھ بھی شامل ہیں، یہ وہ لوگ ہیں، جنہیں جناب رسالتمآبؐ کے ساتھ کوئی مذہبی وابستگی نہیں۔ ان کی عقیدت کی بنیاد پیغمبر اسلام کے بارے میں ان کی تحقیق اور مطالعہ ہے۔ جناب رسالتمآبؐ کی ذاتِ اقدس کو جس زاویے سے پرکھا، کامل پایا۔ اور بالآخر وہ اس کا برملا اعتراف کرنے پہ مجبور ہو گئے۔

اس سلسلے میں چند معروف غیر مسلم شخصیات کی تحریروں اور تقریروں سے اقتباسات ذیل میں دیئے جا رہے ہیں۔ ایک بات کا خیال رہے کہ اصل عبارات کی ترتیب و تدوین میں حسبِ ضرورت تبدیلی کی گئی ہے۔ انہیں سہل اور عام فہم بنانے کے لئے آسان متبادلات اور تراکیب استعمال کی گئی ہیں۔ تاہم اصل تحریروں کے بنیادی مفہوم اور روح کو برقرار رکھنے کی حتی الامکان کوشش کی گئی ہے۔

ان تحریروں کے انتخاب میں کتاب کا موضوع بھی پیشِ نظر رہا ہے۔ زیادہ تر وہ اقتباسات شامل کئے گئے ہیں جن کا کتاب کے عمومی موضوع "رسولِ رحمتؐ" اور مختلف ابواب کے موضوعات سے براہِ راست تعلق بنتا ہے۔

رحمتِ عالم:۔ حضور سرورِ کونینؐ کی شانِ رحمت کو اپنے تو اپنے غیر بھی تسلیم کرتے ہیں۔ انگلستان کے معروف صحافی اور مصنف مسٹر ڈی رائیٹ آپؐ کو ان الفاظ میں ہدیہ عقیدت پیش کرتے ہیں: "حضرت محمدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)

اپنی ملت اور قوم کے لئے ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کے لئے ابرِ رحمت تھے۔ آپ نے بے انتہا کوشش کر کے ذات پات کے فرق کو ختم کر دیا۔ آج مسلمانوں میں ذات، پات اور رنگ و نسل کا امتیاز نظر نہیں آتا، تو یہ آپؐ ہی کی تعلیمات کا نتیجہ ہے۔ آج تک کسی شخص نے آپؐ سے بہتر احکام خداوندی کی تعمیل نہیں کی۔ اور یہ کوئی معمولی بات نہیں کہ ان کے دشمن بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے مشن کو نہایت خوبی کے ساتھ پورا کیا۔

ایک ہندو ماہر تعلیم پروفیسر چیتن دت حضور سرورِ کائناتؐ کی شانِ رحمت کا مطالعہ کرتے ہیں، تو بے دریغ پکار اٹھتے ہیں۔ "اے پاک محمدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میں آپؐ کے قدموں پر قربان جاؤں۔ اگر آپؐ نہ ہوتے تو قبائل عرب پر رحمت کا نزول کیسے ہوتا۔ حق تو یہ ہے کہ آپؐ کل کائنات کے لیے اللہ کی رحمت بن کر آئے۔"

دنیا پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احسانات کا مطالعہ کرنے کے بعد راس کے رہنے والے ایک ہندو فاضل شری ونکٹا رتنام یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ "دنیا پر جتنا احسان حضرت محمدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذات مبارک نے کیا، کسی اور انسان نے نہیں کیا!"

ایک اور ہندو فاضل سوامی برج نرائن جی حضور سرورِ عالمؐ کو سراپا رحمت تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "سب سے پہلی چیز یہ کہ خدا نے پیغمبرِ اسلام

راپا رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ اور اس کائنات میں عالمِ انسان، عالمِ حیوان، عالمِ نباتات، ر عالمِ جمادات سب شامل ہیں۔"

مشہور جرمن فلاسفر پروفیسر ہیوگ اس ضمن میں لکھتے ہیں۔ میں نے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی تعلیمات کو بغور پڑھا ہے۔ انہوں نے خدمتِ خلق اور اصلاحِ اخلاق پر بہت زور دیا ہے، میری رائے ہے۔ اگر کوئی غیر مسلم بھی ان تعلیمات پر عمل کرے تو بہت کچھ پا سکتا ہے۔"

ایک اور مغربی مصنف ڈاکٹر جی ویل لکھتے ہیں، "آپ کی خوش خلاقی، فیاضی اور رحمدلی محدود نہ تھی"

اس سلسلے میں بدھ مت کے ایک اہم پیشوا جناب مانگ تو نگ کا بیان ہے۔ "حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا ظہور نوعِ انسان پر خدا کی ایک رحمت تھا۔ ہم بدھ لوگ ان سے محبت کرتے ہیں اور ان کا احترام کرتے ہیں"

اس ضمن میں ایک ہندو عالم پنڈت دھرم دیو شاستری کا خیال ہے کہ اس میں شک نہیں کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) بنی نوعِ انسان کیلئے جیئے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عالمگیر شخصیت پر تبصرہ کرتے ہوئے نامور ہندو لیڈر مسٹر گاندھی لکھتے ہیں "کسی روحانی پیشوا نے خدا کی بادشاہت کا ایسا جامع اور مکمل پیغام نہیں سنایا، جیسا کہ پیغمبرِ اسلامؐ نے سنایا۔ میں انؐ کی

تعلیمات کو دیگر پیشواؤں کی تعلیمات سے بہتر سمجھتا ہوں۔"

نعمتِ عظیم :۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے قرآن حکیم میں حضور سرورِ عالمؐ کے لئے نعمت کا لفظ بھی استعمال کیا ہے اور مسلمانوں کو اس نعمت کا ذکر عام کرنے کی تلقین بھی کی ہے۔ لیکن یہ وہ نعمتِ عظیم ہے، جس کا ذکر ہم نہیں کرتے، غیر مسلم بھی خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں۔

اس سلسلے میں ذرا "حیاتِ رسول پاکؐ"[1] کے مصنف ڈاکٹر ایلسٹن کے جذبات ملاحظہ ہوں۔

"اے شہر مکہ کے رہنے والے! اے آباؤ اجداد کے عزّ و شرف کو زندہ کرنے والے: اے سارے جہاں کو غلامی کی لعنت سے نجات دلانے والے دنیا آپؐ پر فخر کر رہی ہے اور خدا کی اس نعمت کا شکر ادا کر رہی ہے۔ اے ابراہیمؑ خلیل اللہ کی اولاد! اے وُہ کہ جس نے دنیا کو اسلام کی نعمت بخشی: تمام لوگوں کو متحد کر دیا اور خلوص کو اپنا شعار بنایا۔ اے وُہ کہ جس نے "انما الاعمال بالنیات"[2] کی تعلیم دی ہم آپؐ کے بے حد شکر گذار ہیں اور احسان مند ہیں۔

اسی ضمن میں ایک اور مغربی دانشور پروفیسر لیک کے الفاظ ہیں:۔
محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی تعریف میں اس سے زیادہ کیا کہوں کہ آپؐ یتیموں ا

۱۔ انگریزی کتاب LIFE OF THE HOLY PROPHET (PBUH)
2۔ حدیث مبارک، ترجمہ: اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے۔

مسافروں، غریبوں اور بے کسوں کے لئے حقیقی رحمت اور نعمت تھے۔

خواتین کے محسن:۔ عورت کے مقام کو بلند کرنے کے سلسلے میں جناب رسالتمآبؐ کی کوششوں کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے معروف عیسائی مصنف مسٹر پیٹر کریبٹس لکھتے ہیں "حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے عورتوں کے حقوق کی ایسی حفاظت کی کہ پہلے کسی نے نہیں کی تھی۔ وراثت اور جائداد میں ان کے حصّے کو تسلیم کیا گیا۔ اسلام نے عورت کو اس زمانے میں وہ حقوق اور مراعات عطا کیں جو تعلیم یافتہ عیسائی عورت کو آج بیسویں صدی میں بھی حاصل نہیں"

اسی موضوع پر ایک ہندو خاتون کملا دیوی کے خیالات ملاحظہ ہوں۔

"آپؐ نے عورت کی مٹی ہوئی عزّت کو بحال کیا اور اس کے حقوق مقرر کئے"

بعض اسلام دشمن عناصر حضور سرورِ عالمؐ کی شادیوں پر زبردست تنقید کرتے ہیں، جو محض تعصّب اور جہالت کی وجہ سے ہے۔ یہ صرف ہم ہی نہیں کہتے، بلکہ اس کی گواہی انہیں کے بھائی بند بھی دیتے ہیں، مثال کے طور پر ایک معروف مغربی مصنف مسٹر ایس ایچ لیڈر اس موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

"جب آپؐ بوڑھے ہو گئے تو محض رقّتِ قلب کی وجہ سے جو آپؐ کو خاص طور پر عطا کی گئی تھی، کئی عورتوں کو محض ان کی حالت پر رحم کرتے ہوئے، اپنے نکاح میں لینا پڑا"۔

کثرت ازواج کے بارے میں دشمنانِ اسلام کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے ایک ہندو مصنف اور ماہر تعلیم جناب بی ایس کشالیہ لکھتے ہیں:

"حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر کثرت ازواج کا بہتان باندھا گیا ہے۔ لیکن یہ صریحاً غلط ہے۔ بے شک آپؐ کی کئی بیویاں تھیں، مگر اس میں نفسانی خواہش کا کوئی عمل دخل نہیں۔

آپؐ مختلف طبقوں کی عورتوں کو نکاح میں لاکر ان کا سہارا بنے زیادہ تر بیوہ، لاوارث اور غلام خواتین سے نکاح کئے۔ ایسا اس لئے کیا کہ دوسروں کیلئے مثال قائم ہو۔ اور زمانہ جاہلیت کی بری رسوم کا خاتمہ ہو"۔

غلاموں اور یتیموں کے محسن:۔ غلاموں اور یتیموں کی آزادی اور سربلندی کے لئے جناب رحمۃ للعالمینؐ کی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے ایک ہندو ماہر قانون بابو جگل کشور کھنہ لکھتے ہیں۔

"حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے احسانات صرف ملک عرب پر ہی نہیں، بلکہ آپؐ کی تعلیم اور ہدایت کا فیض تو دنیا کے ہر گوشے میں پہنچا۔ غلامی کے خلاف سب سے پہلی آواز آپؐ ہی نے اٹھائی، اور غلاموں کو سگے بھائیوں جیسا مقام بخش دیا۔ آپؐ نے عورتوں کے مقام کو بھی بلند کیا۔ اور سود کو قطعاً حرام قرار دے کر سرمایہ داری کی جڑ کاٹ کر رکھ دی"۔

معاشرے کے ایک دھتکارے ہوئے طبقے، یتیموں پر حضور سرورِ کونینؐ

کے احسانات کا ذکر کرتے ہوئے مشہور عیسائی فاضل **مسٹر ڈیری** لکھتے ہیں:۔

"آپؐ نے یتیموں کی بہتری اور ان کی بدحالی دور کرنے کے لئے قابلِ تعریف اقدامات کئے۔ یتیموں پر ظلم کرنے والوں کے بارے میں آپؐ کے سخت رویے سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ کے دل میں ان یتیموں کی اصلاح کی زبردست تڑپ تھی۔

اخلاق حسنہ۔ صادق و امین:۔ حضور سرورِ کائناتؐ کے عمدہ اخلاق کا ذکر کرتے ہوئے مشہور فرانسیسی مورخ **موسیو سیدیو** لکھتے ہیں۔

"یوں تو محمد (صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) اُمّی تھے" مگر عقل و دانش میں بے مثل تھے۔ آپؐ حلیم طبع اور نیک خلق انسان تھے۔ ہر کسی سے خندہ پیشانی سے پیش آتے۔ اکثر اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کا ذکر کرتے یا خاموش رہتے۔ زبان سے کبھی کوئی غلط بات نہ نکالتے۔ فقراء اور مساکین کو دوست رکھتے تھے اور کبھی کسی کے رعب میں نہ آتے تھے"

ایک اور یورپی مصنف **ہربرٹ وائل** کے الفاظ ملاحظہ ہوں" آپؐ بعید صادق اور امین انسان تھے۔ آپؐ نے لوگوں کو گمراہی سے نکالا اور سیدھی راہ دکھائی"

نامور انگریز مؤرخ **پروفیسر ایچ۔ جی ویلز** اپنی انگریزی تالیف "تاریخ کا ایک خاکہ"۱ میں لکھتے

"پیغمبر اسلامؐ کی صداقت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ جو آپؐ کو سب سے زیادہ جانتے تھے، وہی آپؐ پر سب سے پہلے ایمان لائے۔ آپؐ نے ایک ایسے

۱۔ انگریزی تصنیف AN OUTLINE OF HISTORY

معاشرے کی بنیاد رکھی، جس میں ظلم اور سفاکی کی کوئی گنجائش نہیں تھی"

دشمنوں کے لئے رحمت:۔ دشمنوں کے بارے میں جناب رسالتمآبؐ کی شانِ رحمت کا ذکر ایک معروف ہندو مصنف جناب بی۔ ایس رندھاوا ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

"تاریخ شاہد ہے کہ جس قدر پیغمبر اسلام حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ستایا گیا، اتنا کسی اور نبی کو تنگ نہیں کیا گیا، لیکن میں انؐ کی شفقت، مروت اور رحملی کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ نہایت صبر سے مظالم سہے، اور ظالموں کو کچھ نہ کہا۔ بلکہ الٹا انہیں دعائیں دیں۔ حد تو یہ ہے کہ طاقت اور اقتدار حاصل ہو جانے کے بعد بھی ان سے انتقام نہیں لیا"

اس سلسلے میں ایک ہندو ماہر تعلیم لالہ مہر چند لدھیانوی لکھتے ہیں۔

"دشمنوں کے ہاتھوں بانئ اسلامؐ کو ایسے ایسے ظلم سہنے پڑے کہ جن پر کمزور سے کمزور انسان بھی بگڑ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ مگر آپؐ نے مقابلے کی طاقت ہونے کے باوجود کبھی بدلہ لینے کا نہ سوچا۔ وجہ یہ کہ آپؐ کو دُنیا کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا تھا۔ مگر جب دشمنوں کی زیادتی حد سے بڑھ گئی اور اندیشہ پیدا ہو گیا کہ کہیں مسلمانوں کی قلیل جماعت کو ہی نہ کچل دیں، تو آپؐ نے انتہائی مجبوری کی حالت میں محض اپنے دفاع کی غرض سے طاقت کا استعمال لیا۔ ورنہ اگر آپؐ کا بس چلتا تو سرزمین عرب میں خون کا ایک قطرہ بھی نہ گرتا۔ ہر چند آپؐ کی ذات والا صفات سراپا رحمت و شفقت تھی"

نامور انگریز مورخ سٹینلے لین پول دشمنوں کے لئے آپؐ کے عفو و درگذر کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں :

اہل مکہ آپؐ کے جانی دشمن تھے۔ مگر جب آپؐ ایک فاتح کی حیثیت سے شہر میں داخل ہوئے، تو سب کو معاف کر دیا۔ ایسی فتح اور ایسے پاکیزہ فاتحانہ داخلہ کی مثال تاریخ انسانی میں نہیں ملتی"۔

جانوروں کے لئے رحمت :- مشہور برطانوی مصنف ایس مارگولیتھ جانوروں کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رویے سے بے حد متاثر ہیں، لکھتے ہیں۔

"آپؐ کی دردمندی کا دائرہ انسانوں تک ہی محدود نہ تھا، بلکہ آپؐ نے تو جانوروں کے ساتھ بھی ظلم و زیادتی کو سخت برا کہا ہے"۔

غیر مسلم شاعروں کا ہدیہ عقیدت

حضور سرورِ کائنات، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان میں کی گئی شاعری کو نعت کہتے ہیں۔ بے شمار مسلمان شعراء اس صنف میں طبع آزمائی کر کے دین و دنیا کی نعمتوں سے سرفراز ہوئے۔ مگر لطف کی بات یہ ہے کہ اس فہرست میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ہمیں بہت سے غیر مسلم شعراء کے نام بھی دکھائی دیتے ہیں۔ ذیل میں ہندو شعراء کی لکھی ہوئی، نعتیں، نعتیہ غزلیں اور رباعیاں پیش کی جا رہی ہیں

ویسے ثناخوانِ رسولؐ کی فہرست طویل ہے تاہم اس سلسلے میں انتخاب سے کام لیا گیا ہے۔

پیارے لال رونق

وفات: اندازاً ۱۹۱۵ء

تو ہے محبوبِ خدا چاہنے والا تیرا
مرتبہ سارے رسولوں میں ہے بالا تیرا

کلمۂ صلِّ علیٰ وردِ زباں رکھتا ہوں
خواب میں دیکھ لیا ہے قدِ بالا تیرا

ہجر میں دل کے تڑپنے کے نئے ہیں انداز
عشق ہے مجھ کو زمانے سے نرالا تیرا

عفو ہو جائیں گی محشر میں خطائیں ساری
داورِ حشر کو دوں گا میں حوالا تیرا

آہ کر ہجرِ محمد میں سنبھل کر اے دل
عرش کے پار نکل جائے گا نالا تیرا

لے اُڑی آج صبا سوئے مدینہ دلِ زار
ناتوانی نے بڑا کام نکالا تیرا

نور سے تیرے منور ہوئے دونوں عالم
نظر آتا ہے ہر اک سمت اجالا تیرا

گر یہی شوقِ مدینہ ہے تو ہاں بسم اللہ
جانِ بیتاب ہوا دیس نکالا تیرا

لے خبر جلد مری ناز سے سونے والے
ہوگیا فرشِ زمیں چاہنے والا تیرا

ہوگیا شوق میں وہ آج نثارِ احمدؐ
دل جو رونقؔ تھا بڑے نازوں کا پالا تیرا

چودھری دِلورام کوثری

وفات : ۱۹۳۱ء

عظیم الشان ہے شانِ محمدؐ
خدا ہے مرتبہ دانِ محمدؐ

کتب خانے کیے منسوخ سارے
کتابِ حق ہے قرآنِ محمدؐ

نبیؐ کے واسطے سب کچھ بنا ہے
بڑی ہے قیمتی جانِ محمدؐ

شریعت ، طریقت اور حقیقت
یہ تینوں ہیں کنیزانِ محمدؐ

فرشتے بھی یہ کہتے ہیں کہ ہم ہیں
غلامانِ غلامانِ محمدؐ

نبیؐ کا نطق ہے ، نطقِ الٰہی
کلامِ حق ہے فرمانِ محمدؐ

خدا کا نور ہے ، نورِ پیمبرؐ
خدا کی شان ہے شانِ محمدؐ

ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و حیدرؓ
یہی ہیں چار یارانِ محمدؐ

علیؓ ان میں وصی مصطفےٰؐ ہے
علیؓ ہے رنگِ بستانِ محمدؐ

علیؓ و فاطمہؓ شبیرؓ و شبرؓ
بسا ان سے گلستانِ محمدؐ

بتاؤں کوثری کیا شغل اپنا
مَیں ہوں ہر دم ثنا خوانِ محمدؐ

۲

مجھے نعت نے شادمانی میں رکھا
کہ مصروف شیریں زبانی میں رکھا

میں لکھتا رہا نعت اور حق نے شب بھر — قمر کو مری پاسبانی میں رکھا
نہیں اختیار اب سے کی نعت گوئی — یہی شغل ہم نے جوانی میں رکھا
درِ مصطفےؐ کی ملے گر گدائی — تو پھر کیا ہے صاحب قرانی میں رکھا
بہارِ ریاضِ ثنائے نبیؐ نے — دہن کو مرے گلفشانی میں رکھا
نبیؐ کے ہوئے نعت گو دو برابر — کہ دونوں کو اک مدح خوانی میں رکھا
ہے حسّانؓ پہلا تو میں دوسرا ہوں — نہیں فرق اوّل میں ثانی میں رکھا
خدا نے اُسے سونپی محفل عرب کی — مجھے بزمِ ہندوستانی میں رکھا

لکھیں کوثری عمر بھر ہم نے نعتیں
نہ کچھ اور غم زندگانی میں رکھا

۳

جس دم دبایا مجھ کو گناہوں کے بار نے
میں شافعِ گناہؐ کو لگا پھر پکارنے
حضرتؐ نے آگے مجھ کو سبکدوش کر دیا — رحمت بڑی کی شافعِ روزِ شمار نے
دیکھا بنا کے جب محمدؐ کا حسن و نور — محبوب اپنا کر لیا پروردگار نے

ہے نام دلو رام تخلص ہے کوثری
دیر و حرم کی سیر کی اس خاکسار نے

سرکشن پرشاد شادؔ

وفات : ۱۹۴۰ء

بلوائیں مجھے شادؔ جو سلطانِ مدینہ
جاتے ہی میں ہو جاؤں گا قربانِ مدینہ

وُہ گھر ہے خدا کا تو یہ محبوبِ خدا ہیں
کعبے سے بھی اعلیٰ نہ ہو کیوں شانِ مدینہ

روکیں گے نہ دربار میں جانے کے لئے شادؔ
پہچانتے ہیں سب مجھے دربانِ مدینہ

ہے قربِ نبیؐ ہی سے تو یہ عزت و اجلال
قالب ہے مدینہ تو وہ ہے جانِ مدینہ

لے جاؤں گا میں ساتھ فقط عشقِ محمدؐ
تحفہ ہے مرے پاس یہ شایانِ مدینہ

دیکھے جو تحیر میں مرے عشقِ نبیؐ کو
سکتے میں رہے نرگسِ بُستانِ مدینہ

کھولے درِ جنت کو یہی کہتا ہے رضواں
بے خوف چلے جائیں غلامانِ مدینہ

نشہ ہے وہ ان کو جو اترتا ہی نہیں ہے
توحید کی مے پیتے ہیں مستانِ مدینہ

خاکِ رہِ یثرب کو بناؤں گا میں سُرمہ
دیکھوں گا ان آنکھوں سے میدانِ مدینہ

اللہ دکھا دے تو مجھے روضۂ اقدس
باقی کہیں رہ جائے نہ ارمانِ مدینہ

کیوں میری شفاعت میں بھلا دیر لگے گی
کیا مجھ کو نہیں جانتے سُلطانِ مدینہ

کیا مجھ سے ثنا ہو سکے اک مور ہوں ادنیٰ
اعلیٰ ہیں وہی جو ہیں سلیمانِ مدینہ

مومن جو نہیں ہوں تو میں کافر بھی نہیں شادؔ
اس رمز سے آگاہ ہیں سلطانِ مدینہ

پنڈت کیفی دتاتریہ

وفات : ۱۹۵۵

ہو شوق نہ کیوں نعتِ رسولؐ دو سرا کا
مضمون ہو عیاں دل میں جو لولاک لما کا

پہنچایا ہے کس اوجِ سعادت پہ جہاں کو
پھر رتبہ ہو کم عرش سے کیوں غارِ حرا کا

دے علم و یقیں کو مرے رفعت وہ بشر والا
نام اونچا ہے جس طرح مروا اور صفا کا

یوں روشنی ایمان کی دے دل میں کہ جس سے
بطحا سے ہوا جلوہ فگن نورِ خدا کا

ہے حامی و ممدوح مرا شافعِ محشر
کیفی مجھے اب خوف ہے کیا روزِ جزا کا

ہری چند اختر

وفات : ۱۹۵۸

کس نے ذرّوں کو اٹھایا اور صحرا کر دیا
کس نے قطروں کو ملایا اور دریا کر دیا

زندہ ہو جاتے ہیں جو مرتے ہیں اسکے نام پر
اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کر دیا

شوکتِ مغرور کا کس شخص نے توڑا طلسم
منہدم کس نے الٰہی قصرِ کسریٰ کر دیا

کس کی حکمت نے یتیموں کو کیا دُرِّ یتیم
اور غلاموں کو زمانے بھر کا مولا کر دیا

کہہ دیا لاتقنطوا اختر کسی نے کان میں
اور دل کو سربسر محوِ تمنا کر دیا

سات پردوں میں چھپا بیٹھا تھا حسنِ کائنات
اب کسی نے اس کو عالم آشکارا کر دیا

آدمیت کا غرض ساماں مہیا کر دیا
اک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا

شیام سُندر، سُندر

دُنیا کو تم نے آکر پُر نُور کردیا ہے   اور ظلمتوں کو یکسر کافور کردیا ہے
پیغامِ حق سنا کر مسرور کردیا ہے   وحدت کی مَے پلا کر مخمور کردیا ہے
اک بار تو دیارِ یثرب کو دیکھ لیتا   پابندیٔ جہاں نے مجبور کردیا ہے

سُندر سے کیا رقم ہو وہ شان ہے تمہاری
جس نے گداگروں کو فغفور کردیا ہے

لالہ دھرمپال گپتا وفاؔ

چھڑا کے بُت کی پرستش سکھائی تھی وحدت   مرے خیال کی ترویج عام ہو جائے
سیاسیات سے مذہب ملا دیا تُو نے   کہ دین و دنیا کا سب انتظام ہو جائے
رفاہِ عام ہی تیرا تھا جبکہ نصب العین   لقب نہ کیوں ترا خیر الانام ہو جائے

وفاؔ جہاں میں وہ عالی مقام ہوتا ہے
عطا جسے مئے عرفان ہو جائے

تلوک چند محروم

مبارک پیشوا جس کی ہے شفقت دوست دشمن پر
مبارک پیش رو جس کا ہے سینہ صاف کینے سے
انہی اوصاف کی خوشبو اُٹھی اطرافِ عالم میں
شُ... ... ... کے اور مدینے سے

کتابیات

1 ۔ قرآن حکیم

2 ۔ بخاری شریف ۔ مسلم شریف

3 ۔ مشکوٰۃ شریف

4 ۔ نسائی شریف

5 ۔ ترمذی شریف

6 ۔ سنن ابن ماجہ

7 ۔ سنن ابوداؤد

8 ۔ مسند احمد بن حنبل

9 ۔ طبقات ابن سعد

10 ۔ سیرت ابن ہشام

11 ۔ ارض القرآن از سید سلیمان ندوی

12 ۔ سیرت النبیؐ جلد اول تا ششم از شبلی نعمانی، سید سلیمان ندوی

13 ۔ محسن انسانیت از نعیم صدیقی

14 ۔ سیرت سرورِ دوعالمؐ جلد اول و دوم از سید ابو الاعلیٰ مودودی

15 ۔ تفہیم القرآن جلد اول تا ششم از سید ابوالاعلیٰ مودودی

16۔ تاریخ اسلام از شاہ معین الدین

17۔ حج از ڈاکٹر علی شریعتی

18۔ رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی از ڈاکٹر حمید اللہ

19۔ رحمۃ للعالمین جلد اول از قاضی محمد سلیمان منصور پوری

20۔ پیغمبر اسلامؐ کے پیغام کی آفاقیت (مجموعہ مقالات بین الاقوامی سیرۃ کانفرنس ۷۶ء)

21۔ رسول اکرمؐ کی حکمت انقلاب از سید اسعد گیلانی

22۔ نقوش سیرت نمبر جلد اول تا دوازدہم مرتبہ محمد طفیل

23۔ المواہب اللدنیہ (اردو ترجمہ از عبد الجبار خان، حیدر آباد دکن)

24۔ مقالات سیرت، مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد

25۔ حضور اکرمؐ اور ہجرت از اسعد گیلانی

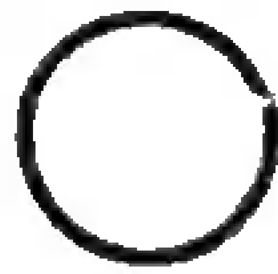
26۔ قصص الرسول از ریاض احمد سعید

27۔ شواہد نبوت از مولانا عبد الرحمٰن جامی

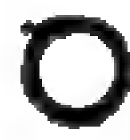
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

رسولِ رحمت

2



ریاض احمد سعید



انسٹی ٹیوٹ آف سیرت سٹڈیز

پوسٹ بکس 2145

اسلام آباد

(پاکستان)